

سائل
م

۱۱

۱۱۵

ای تاملت حکم القلم

ماد

جلد ثالث رساله روشنی

ایستاد

جولائی - اگست و ستمبر ۱۹۹۶ء

ایستاد

۵۱۹

مدرسہ اسلامیہ قادیان

قادیان

۱۹۹۶ء

عذر سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ سہ ماہی سوم کے نمبر ہی جلد
 میں محرم میں وطن گیا وہاں دفتر حق پرزہ دوم جگہ میں ایسا متبادلوں کہ بظاہر
 زندگی کی تھی تین چار ماہ کا کل طویل رہا لیکن خدا نے میرے حال پر رحم فرمایا اور صحت عطا کی
 اسی وجہ سے میں وعدہ کو پورا نہ کر سکا۔ مکتوب برین واپس آکر یکوشش تمام سہ ماہی
 کے یہ نمبر چھپوائے میں امید کرتا ہوں کہ میرے عذر کو معاونین قبول فرمائیں گے۔
 بجواب خطوط اکثر بزرگواروں کے میں نے عرض کیا تھا کہ سہ ماہی سوم و چارم کے
 ساتھ ہی شائع کروں گا لیکن بوجہ میری غیر حاضری کے ایک تو سلسلہ آمد چندہ کا پنا
 دوم اب جو خطوط بعض جگہ پہنچے ان کے جواب کم آئے لہذا اب وجہ کی مصارف نہ
 چارم کو شائع نہ کر سکا۔ امید کرتا ہوں کہ اگر یہ نمبر پہنچتے ہی جن بزرگواروں نے
 منہور نہیں دیا ہے انہوں نے بیحد یا تو سہ ماہی چارم کے نمبر ہی قریب تر شائع
 پہنچیں گے کام جاری ہے۔ اگر چندہ نہ آیا تو وہ نمبر بدیعہ دیلو بھیجوں گا۔ اگر دیلا
 آئے تو واپس کٹھنہ خضرات کی نسبت سمجھا جائیگا کہ ان کو اب خریداری منظور نہیں
 رسید زر جو شائع کی جاتی ہے اس کے ملاحظہ کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ کن کن
 کو چندہ پہنچنا چاہئے والسلام

رسید چندہ جلد ثالث بابتہ سال ۱۲۹۶ھ

نام معاونین	چندہ	نام معاونین
عالمگیر شاہ علی عباس وکیل بھولال		عالمگیر شاہ آغا محمد صادق صاحب شندی
عالمگیر شاہ سید محمد حسین علی صاحب قلعہ		نائب تحصیلدار
عالمگیر شاہ علی محمدی صاحب قلعہ		عالمگیر شاہ سید محمد حسین علی صاحب قلعہ

اور چاہتے ہیں یہ کہ گم کو دو تم راہ راست
کو اور خدا زیادہ جانتا ہے دشمنوں
تمہارے کو اور کافی ہے اسد دست
اور کافی ہے اسد نصرت کرے نوالا۔
دیانتک اس آیت میں خبر ہے ایک

سیرا من الذین
ہم اذہم یحرفون الکلم عن مواضعہ
ویقولون سمعنا وعصینا و انما
ہم قوم یسمعون و لا یعلمون
بطعن فی الدین

وہ کی نسبت کہ جنکو کچھ حصہ کتاب کا دیا گیا ہے اور وہ گمراہی میں لیتے
ہے اور چاہتے ہیں کہ جو لوگ راہ راست پر ہیں وہ بھی گمراہ ہو جائیں
خطاب اس آیت میں اول خاص ذات پیغمبر کی راہ ہے لیکن
بیان آیت کے خدا بعد فرماتے ہیں ان لوگوں کے کہ جنکو کچھ حصہ
تبارک دیا گیا اور وہ گمراہی خرید کرتے ہیں ان کے ارادہ کے مقابل میں
دوسرے گروہ کے لوگوں کے کہ جو راہ راست پر ہیں اور جنکو پیغمبر
ساتھ جمع کے صیغہ سے بولا گیا ہے۔ خبر دیتا ہے مخاطبوں شریک
کو (شریک فی النبوۃ اور شریک فی الرسالت) سے مراد مبین
لہ شریک فی الہدایۃ سے مراد ہے جو بذریعہ امامت کے ہوتی ہے
امت کہ جو رسالت کو شامل ہے کہ وہ تمکو راہ راست سے گم
ہے اور جبکہ ارادہ راہ راست سے گم کرنے کا ہے انکو دشمن ان

ان لوگوں کا فرمایا ہے کہ جو راہ راست بہرین۔
 نتیجہ مقصود اس آیت کا یہ ہے کہ خدا نے دو گروہ اس آیت
 میں بتائے ہیں ایک وہ کہ جو راہ راست سے گم گزرنے کا ارادہ
 رکھتا ہے دو مسلولہ کہ جو راہ راست پر ہے اور پیغمبر کا شریک ہے جس کو
 پیغمبر کے ساتھ خدا نے شامل کر لیا ہے۔

اسی موقع پر یہ بھی فراموش نہیں کر لینا چاہیے کہ جو فرقہ راہ راست
 والے لوگوں کو گمراہ کرنے والا بتایا گیا ہے اس کا یہ حصہ ہی فاسد
 کیا گیا ہے کہ اسکو کتاب سے ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی کتاب کے کچھ ہی
 حصص بنیں دیے گئے ہیں اور وہ ایک حصہ سے گمراہی خرید
 کرتا ہے۔

اب میں دعوت کتابوں کے وہ فرقہ دیکھ رہا ہوں کہ جو رسالت
 کو مانے اور امامت کو نہ مانے اور اسی قبضہ قرم کی نسبت لایا جا
 تا ہے کہ یہ کالہ الزام اس آیت میں لگایا جاتا ہے اور جبکہ استنباط
 یوں ہوتا ہے کہ اسے پیغمبر بنیں دیکھتا ہے تو طرف ان لوگوں کے
 کہ دیے گئے ہیں ایک حصہ کتاب سے (۱) اس کتاب میں جو تیری
 رسالت کا بیان ہوا ہے اسکو ایک جمہیت سے قبول کرتے ہیں
 خرید کرتے ہیں گمراہی کو ذرا سے رسالت قبول کرنے کے ساتھ

امت رسول کے اُن مسلمانوں کے حق میں ہو کہ جو منہ سے کہتے تھے
 کہ ہم ایمان لائے اور دل ان کے ایمان نہیں لائے تھے اور اُن کی
 اس نالائق حرکت سے پیغمبر کو استعظاں ہوا جس کی وجہ سے خدا کو یہ
 فرمانا پڑا کہ اے رسول! تجھ کو غلین ہونا چاہیے اور جس امر کو کہ زبانی
 ظاہر کرتے تھے اور دلیمن ایمان نہیں رکھتے تھے وہ امر اس مثال
 سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس کے بموجب خدا نے اسی آیت میں تشفی
 دی ہے (ترجمہ) اور اُن لوگوں میں سے کہ یہودی ہیں بست سننے
 والے ہیں واسطے جو ملکہ کے بست سننے والے ہیں واسطے قوم
 دوسری کے جو نہیں آتے ہیں تیرے پاس یعنی تیرے طرف چلا
 نہیں کرتے اور متوجہ نہیں ہوتے) تحریف کرتے ہیں کلام بعد کو
 اُسکی جگہ سے ۱۱

اس فقرہ آیت میں خدا نے پیغمبر کے غلین ہونے کے لیے نصیحت
 فرمائی ہے کہ یہودی ہی تو تیری رسالت کے متعلق تو ریت میں تحریف
 کرتے ہیں تیری امت کے لوگ تیری آل کی امامت کی بابت بعد
 تیرے یا کلام بعد کو (یعنی بعد رسالت کے امامت کو) اگر تحریف
 کریں تو تجھ کو آزدہ نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کا لفظ جو اس آیت میں
 ہے وہ نہایت ہی قابل غور ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ

پیغمبر کی آل کو اسوۂ ہو۔

یہ دے پیغمبر کی رسالت کے بایں بعد کو تحریف کی ہے اور جو مسلمان کھرت نبائی ایمان لائے ہیں باور دلین انکے ایمان نہیں ہے وہ آل پیغمبر کی امامت میں بعد کو تحریف کرتے ہیں اور اسی موقع سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مصداق تحریف کا فرقہ شیعہ ہی یا فرقہ اہلسنت و جماعت کا۔ !

حفاظت قرآن کی تحریف لفظی اور معنوی سے خدا نے اس طرح پوری کی ہے کہ جس وقت جو آیت نازل ہوئی تھی اس وقت پیغمبر خدا الفاظ اس آیت کے لکھا دیتے تھے اور انہیں لکھ ہوئے الفاظ کے بموجب قرآن جمع اور نقل کیا گیا ہے کہ جو اس وقت تک امت رسول کے پاس موجود ہے اور بوجہ لکھا دینے پیغمبر کے آیات قرآنی کو تحریف لفظی کا موقع کسی کو نہیں ملا اور نہ مل سکتا تھا۔

جو آیت جس وقت نازل ہوتی تھی اس کا منشا اور مقصد پیغمبر خدا علی مرتضیٰ کو بتا دیتے تھے اور وہی تفسیر بتائی ہوئی حضرت پیغمبر خدا کی علی مرتضیٰ اپنے ہاتھ سے لکھ لیتے تھے جس کو علی مرتضیٰ نے ترتیب نزول مع تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر اور لکھی ہوئی اپنی کے پیش کیا تھا اور انہیں لیا گیا مگر وہ قرآن مع تفسیر کے علی مرتضیٰ کے

پاس رہا جس کے وجہ کے متعدد اخبار کتب اہلسنت سے ہم پہلے نظر
 آئے ہیں اور جس کے نیلے جاننے پر بعض علماء اہلسنت نے
 افسوس کیا ہے اور وہی قرآن تفسیری دیگر ائمہ اہلبیت کے پاس
 برابر چلا آیا اور بارہ ائمہ اہلبیت علی مرتضیٰ سے لیکر محمد بن حسن مہکری
 علیہم السلام تک معنی اور مقصود آیات قرآنی کے بیان فرماتے رہے
 جو بموجب تفسیر تائی ہوئی پیغمبر اور لکھی ہوئی علی مرتضیٰ کے تھا اور وہی
 انکا اشادات اور بیان شیعہوں نے اپنی کتب احادیث میں جمع
 اور نقل کیے ہیں اور انہیں سے حفاظت تحریرت معنوی کی ہوئی
 ہے۔

جن آیات کے معنی ائمہ غیر اہلبیت رسول نے خلاف ان
 اور مقصود کے جو ائمہ اہلبیت نے فرمایا ہے قرار دیے ہیں یا قرار دیے
 ہیں وہ درحقیقت تحریرت معنوی ہے اور اس تحریرت معنوی کے قریب
 وہی فرقہ اسلام کے ہیں اور ہو سکتے ہیں کہ جو فرقہ شیعہ کے
 ہیں۔

فرقہ شیعہ نے جن آیات کے معنی اور مقصود ائمہ اہلبیت
 لیے وہ بنظر تعمیل اس ارشاد پیغمبر کے ہے کہ قرآن علی کے ساتھ ہے
 اور علی قرآن کے ساتھ ہے کا مقصود یہ ہے کہ علی کا قول و فعل مطابق قرآن

کے ہر ذرا فرق نہیں ہے۔

اور اُس استاد پیغمبر پر تسک کیا گیا ہے کہ قرآن اور اہلبیت یا
عترت پیغمبر کبھی جدا نہ ہونگے اور جو کوئی ان دونوں کو افتد رجز و مگو ضبط
پکڑے رہے گا وہ کبھی گمراہ نہ ہوگا جسکی مراد یہ ہے کہ عترت رسول شیک
شیک معانی قرآن بیان کر سکتے ہیں۔

ایسے ائمہ اہلبیت نے جو معنی اور مقاصد آیات قرآنی کے
بتائے ہیں وہ کیونکر تحریف سمجھی جاسکتی ہے بلکہ اسی طریقہ عمل نے
قرآن کو تحریف معنوی سے محفوظ رکھا ہے۔ اُنکی نسبت احتمال تحریف
امر معکوس ہے۔

البتہ غیر ائمہ اہلبیت نے خلاف مراد ائمہ اہلبیت کے جو
معنی قرار دیے ہیں وہ قطعاً تحریف ہے اور جسکا بیان اُن آیات میں
خود خدا نے کر دیا ہے کہ جنہیں ذکر تحریف کلام خدا کا کیا گیا ہے اور جسکی
تصیح ہم ابی اوپر کر آئے ہیں۔

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلاف فرقہ شیعہ کے دوسرے فرقہ
اسلام قرآن کی وہی حالت کرنا چاہتے ہیں اور اُسی کی کوشش
کرتے چلے آتے ہیں کہ جو توریث اور انجیل کی حالت ہو گئی اگر
شیعہ ایسی حفاظت نہ کرتے تو تمام مذہب اسلام میں قرآن کی

رسول خاتم کو قبول نہیں کرتے کہ جو دوسرا حصہ کتاب کا ہی
 اُس دوسرے حصہ کتاب کو لے کر چلے وہ دیت کے فلاحات مول
 لیتے ہیں) اور ارادہ کرتے ہیں یہ کہ گم کر دتم راہ راست کو (اے
 جو لوگو کہ تم راہ راست امامت کو قبول کیے ہوئے ہو وہ لوگ
 ارادہ کرتے ہیں کہ تم اُس ماہ راست کو گم کر دو) اور اسد خوب بتا
 ہی تمہارے دشمنوں کو (اے اُن لوگوں کو کہ امرا امامت کے سبب
 سے تمہارے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں) ۷

ابتداءً اس آیت میں تحریف کا بیان کنایہ سے ہوا ہی اسلئے
 خدا اُسی آیت کے ساتھ میں مثلاً فرماتا ہی ۷ ترجمہ ۷ اُن لوگوں
 میں سے کہ یہودی ہوئے ہیں تحریف کرتے (بدل دیتے ہیں)
 کلموں کو مقاموں اُسکے سے (اور اس مثال کے بعد خدا بذریعہ
 حرف عطف یا استیناف کے انہیں پہلے لوگوں کی نسبت کہ جنکو
 ایک حصہ کتاب سے دیا گیا اور جو گمراہی کو مول لیتے ہیں اور راہ
 راست والوں کو گمراہ کر دینے کا ارادہ کرتے ہیں اُن لوگوں کی
 نسبت خبر دیتا ہی)۔

یہ ترجمہ۔ اور کہتے ہیں کہ سنا ہم نے اور نافرمانی کی ہم نے (دل
 میں) اور سن تو جبات نہیں سنائی گئی (جو ہم کو سنایا گیا ہی اُس کے

ظلمات ہم سے سن) اور رعایت کرتو ہماری (ایسی بات سول کی زبان سے کیسے کہتے ہیں) زبانوں کو موڑ کر اور طعن کر کے دین میں (ایسے دل کی بات زبان کو موڑ کر کہتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت اپنے المہدیت میں ہی قائم کر دی اور ہماری رعایت نہ کی۔

اس نص سے دیکھنا چاہیے کہ ان لازم تحریف کا کس کے ذمہ فائدہ ہوتا ہے۔ پارہ ۶-۷- سورۃ مائدہ رکوع ۶۔

پہلے خدا فرماتا ہے ہر آپ نے لیا اللہ نے عبد بنی اسرائیل کا اور مبعوث (پہرا لگیتے) کیا ہم نے انہیں سے بارہ سردار کو اور کہا اللہ نے (بنی اسرائیل سے) تحقیق کہ میں تمہارے ساتھ ہوں البتہ اگر تم قائم کرو گے نماز کو اور ایمان لاؤ گے تم ساتھ پیغمبروں میرے کے (اسے کچھ فرمائیں اسکی فرمانبرداری کرنا) اور قرض دو گے تم اللہ کو قرض حسنہ (راہ خدا میں خرچ کرنا) تو البتہ دو کرو گے میں تم سے گناہ تمہارے اور ہر آئینہ داخل کرو گے میں تکوین میں کہ جاری ہیں نیچے اس کے نہریں ۱۱

ان بارہ سرداروں کو جو خدا نے مبعوث کیا تھا اور بنی اسرائیل سے یناق کیا تھا انہیں کے شرط اور جزا کے ذکر کے بعد خدا یہ

وہی حالت ہو جاتی جو مذہب عیسائی اور یہودی میں تہریت اور
انجیل کی ہو گئی شیعوں کو کوئی طبع نہیں تھی کہ جس کے سبب سے
وہ تحریف معنوی قرآن کی کرتے۔ ائمہ اہلبیت کی خود حالت
بہی ہی کہ جس سے کوئی توقع حصول دولت کی شیعوں کو اتنی
طرف داری سے نہیں ہو سکتی تھی برخلاف فرقہ غیر شیعہ کے جنکی
خلفاء نے حکومت خلافت حاصل کی تھی اس حکومت کے
لیے بہ طبع حصول دولت تحریف معنوی قرآن کے لیے کوشش
کی۔ کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ غیر مذہب شیعہ کے دیگر فرقوں ہلکا
کی طینت کا نمونہ بہت اچھی طرح ظاہر ہو گیا جسکی متعدد خبریں
پیغمبر خدام دے چکے تھے اور جسکو جابجا ہم کتب اہلسنت
سے دکھا آئے ہیں۔

یہ قول مصنف مخاطب کا کہ وہ شیعوں کے اعتقاد میں
جو لوگ اصحاب ائمہ کہلاتے ہیں وہ درحقیقت مذہب اسلام
کے معتقد نہ تھے۔ "خلافت واقعہ اور بغیر سند کے ہی جن جن
اصحاب ائمہ کا ذکر مصنف مخاطب نے کیا ہے اذروے وقت
کے حالات انکی جو ہم نے دکھائی ہے اور جبکہ وہ کامل الایمان
ہو گئے ہیں شیعوں کے اعتقاد میں وہ درحقیقت مذہب اسلام

کے ایسے معتقد تھے کہ ان کے مہدین کوئی دوسرا اصلی اور
حقیقی مذہب اسلام کا معتقد نہ تھا انہوں نے مذہب شیعہ
بصنیت نہیں کیا نہ ائمہ اہلبیت پر افترا کیا۔

ائمہ اہلبیت نے جو سچا اور حقیقی مذہب انکو تعلیم دیا اسکو
انہوں نے نہایت سچائی اور ایمان داری سے ظاہر کیا ہے اور
جس میں انکے واسطے کوئی طمع دولت و مال کی نہیں تھی اور
نہ ہو سکتی تھی۔ ان اصحاب ائمہ کی حالت بالکل مخالف مختلف
ان اصحاب پیغمبر کے ہے کہ جنہوں نے بطبع خلافت جسکی آرزو
ان کے دل میں حیات پیغمبر سے تھی بعد وفات پیغمبر کے
اہلبیت پیغمبر کو چوڑ کر رخصتہ اختلاف کا اور مخالفت مذہب
اسلام میں ڈالی اور احادیث پیغمبر کو جنکی تعداد پانچ سو بیان کیا
ہی بلاؤالا (کنز العمال کتاب العلم) اور احادیث کذب وضع
کر کے پیغمبر خدا پر اتمام کیے جنکی تعداد اس درجہ پر پہنچ گئی کہ
خود آخر کار علمائے اہلسنت نے کئی لاکھ حدیثوں کا وضعی ہونا
قبول کر کے پیغمبر پر اقرا مانہ ثابت کر دیا ہے اور نتیجہ اسی توجہ اور
جمع کا ہے جو غیر اہلبیت رسول کی طرف کی گئی۔

اور نیز حالت اصحاب ائمہ اہلبیت کی برخلاف ان علمائے

کہ جو بظاہر اپنے آپکو مسلمان قرار دیتے تھے اور ناروا تائید خلافتِ خلفائے
ناحق کی کر کے مخالفانہ جہلی مادِ حقیقی مذہبِ اسلام کے بطعِ مال و
زروینا کے تازہ تازہ قواعد گڑھتے تھے جس سے خود کتبِ اہلسنت
مالا مال ہیں۔

اور سیطرح اصحابِ ائمہ اہلبیت نے مذہبِ شیعہ اپنی طرف
سے تصنیف نہیں کیا اور نہ ائمہ اہلبیت پر اقرار کیا سیطرح انہوں
نے تحریفِ قرآن کی کوئی روایت تصنیف کر کے ائمہ اہلبیت
کی طرف منسوب نہیں کی اور نہ انکو کوئی ضرورت ایسی تھی انکو
جو کچھ حاجت تھی وہ سچے دین کے تھی۔

بر خلاف اسکے غیر اہلبیت رسولؐ نے مخالفانہ ارشادات
پنچبر کے اپنے آپکو عالمِ علمِ قرآن قرار دیکر اور اپنی رائے سے بحج
اور خلاف واقع خصوصاً مسئلہ امامت میں کہ خلافت جسکے تابع
تھی تفسیرِ قرآن کی کر کے تحریفِ قرآن کی کی۔

معیار اس امر کا طبعِ خلافت اور حرصِ دولتِ دنیا ہے۔ جو
لوگ کہ طبعِ خلافت کر کے قابضِ خلافت ہو گئے اور جن لوگوں
نے اُن خلفاء کی بطعِ دولت و دنیا اطاعت کی انہیں کو ضرورت
احادیث کے وضع کرنے اور معنی آیات کے تحریف کرنے کی پیش

آئی اور انہیں کی نسبت ایسا یقین ہو سکتا ہی اور ہونا چاہیے۔
 لیکن ائمہ اہلبیت نہ قابض خلافت پر ہوئے کہ جسکے مستحق
 تھے اور انکا تمام زمانہ اپنے مخالفوں کی طرف سے اندیشہ میں گزرا انکے متبع
 اور طرفداروں کی نسبت کسی طمع اور حرص کا گمان ہی نہیں ہو سکتا
 بلکہ بچائے حرص اور طمع کی آلودگی کے انکے دلوں میں ائمہ اہلبیت
 کے مخالفوں کی جانب سے وہی خوف تھا جو ائمہ اہلبیت علیہم
 السلام کو تھا۔

ایسی حالت میں ائمہ اہلبیت سے انکے متبع لوگوں نے
 جو کچھ حاصل کیا وہ بے لوث ایک سچا دین سمجھا جاسکتا ہی اور
 ائمہ نے جو کچھ بیان فرمایا ہی اور انکے متبع لوگوں نے جو کچھ ان سے
 لیا ہی اور جسکو انہوں نے اپنی کتب میں درج کیا ہی اُس میں زہی سچائی
 کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ انکو نہ وضع کرنیکی کوئی ضرورت تھی
 نہ تحریف کرنیکی۔ البتہ غیر فرقہ شیعہ کو بطع خلافت اور بمقابلہ دولت
 دنیا کے کیا غرض تھی کہ قرآن کے معنی میں تحریف کرنے سے باز رہتے
 اور مذہب اسلام میں شکوک نہیں بلکہ مذہب اسلام سے انحراف
 اور ارتداد پیدا ہو جائیکی پروا کرتے انکی آنکھوں پر طمع اور حرص نے
 ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ مطلق نہ سمجھ سکے کہ اصلی اور حقیقی پیروں

فرماتا ہے۔

۲۲۔ فین کفر بعد ذلک منکم
 فقد حصل سواء السبیل فیما
 نقضہم مینا قہر لعنہم وجلنا
 قلوبہم قاسیۃ یحرفون الکلم
 عن مواضعہ وسوا خطا متا
 ذکر وامہ ولا نزال قطع علی
 خائتہ منہم الا قلیلا منہم
 فاعف عنہم واصفح ان الله
 یحب المحسنین

ترجمہ ۲۲۔ پس جو کوئی کفر کرے
 بعد اُس کے تم میں سے پس
 تحقیق گمراہ ہوا وہ سیدھی راہ
 پس ساتھ توڑ دالینے اُنکے کے
 عہد اپنے کو لعنت کی ہم نے
 اُن کو اور گردانے ہم نے دل
 اُنکے سخت تحریف کرتے ہیں کلمہ
 جگہوں سے اور بول گئے وہ
 حصہ اُس چیز (اسے سرداری ملے)

کو کہ نصیحت کی گئی تھی اُنکو ساتھ اُس کے ہمیشہ مطلع ہوتا ہے تو (اُسے)
 محمد صلعم) اور خیانت کے اُن لوگوں (بول جانے والوں) میں
 سے مگر توڑے اُن میں سے (اُسے جنہوں نے خیانت نہیں کی)
 پس درگزر کرو اُن سے اور پیٹھ پیرے (اُسے دنیا میں اُنکو کچھ سزا
 نہ دی جائے) اور پیٹھ پیرے تحقیق کہ بعد دوست رکھنا ہی بنی کر کے
 والوں کو ۲۲

الگ بہت سور میں پیغمبر آخر الزمان کی اور ان کے دمی کی او

امامت رسول کی حضرت موسیٰ کا وہاں کے بھائی ہارون اور ان کی قوم کی مشابہت ہی اور جیسے کہ قوم بنی اسرائیل کے لیے بارہ بار ہر ایک وقت ہوئے تھے یہی پیغمبر نے بارہ بار ہر ایک وقت قرابت قرابت سے بتائے ہیں مگر اس آیت میں ان دونوں پیغمبروں اور ان کے وصی اور ان کی قوم کو ذکر میں ایسا منظم کیا ہے کہ آخر کار پیغمبر آخر الزما کی طرف خطاب ہی کر دیا ہے اور جس سے اشعار اسل بات پر ہے کہ جیسے بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کی سرداری نہ ماننے میں تحریف ہوئی اور اس حصہ سرداری کی نصیحت کو بھول گئے ویسے ہی بارہ اما سون کی سرداری قریب قریب اور ان رسول کی تحریف کرتے ہیں اور حصہ نصیحت امامت ان کی کو بھول جاتے ہیں۔ اسے پیغمبر سعادت کر اور درگزر کر توئے بارہ۔ ۹ رکوع ۹ سورۃ مائدہ۔

۲۲۔ یا ایھا الرسول لا یغرنک الذین یسارعون فی الکفر ان الذین قالوا امنا باہم ولم یؤمن قلوبہم من الذین مادوا ساعون للکذب ساعون للفریضہم یا توکیر فون الہم من بعد ہوا

ترجمہ ۲۲۔ اے رسول نہ غلین کریں شکوہ وہ لوگ کہ جلدی کرتے ہیں کفر میں ان لوگوں میں سے کس اُنہوں نے ایمان لائے ہم ساتھ مومنوں اپنے کے نہ ایمان لائی دل ان کے (بیان تک یہ آیت

دین اسلام کے طعن کو ایسی گنجائش ہو جائیگی کہ اُن تحریریں کرنا
سے طعن ادا ہٹائے نہ ادا نہ ہو سکیگا۔

یہ مسئلہ کہ مجرد قرآن حجت نہیں امام کا قول حجت ہے۔ جب طور پر کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ شیعوں نے ایجاد کر لیا ہے صحیح نہیں۔ بلکہ یہ مسئلہ دوسری نوع سے خود خدا اور اُس کے رسول م نے بتایا ہے۔ اُس کے خلاف البتہ حضرت عمر اور اہلسنت نے یہ ایجاد کی ہے کہ صرف کتاب اللہ کافی ہے اور مجرد قرآن حجت ہے۔

خدا نے قرآن میں ہدایت کے لیے جس چیز کو حجت قرار دیا ہے
اُسکو ”بَلِیغہ“ فرمایا ہے اور پہرۂ بلیغہ کو بتایا ہے کہ وہ ”بَلِیغہ“
کیا چیز ہے۔ آیت

۲۲ لم یکن الذین کفروا من اهل
الکتاب والمشرکین منظکین
حتى تأتیهم البینة رسول من
الله یتلوا صحفاً معطره لا یخفا
کتاب قیمۃ

پنجمین خدا کا ہے کہ تلاوت کرتا ہو

(رپڑ تہا ہی) وہ صحیفون پاکیزہ کوچ اُسکے نوشتہ راست میں لے
لے سورہ بقیہ پارہ ۳۰ رکوع ۱۳۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مجرد قرآن حجت نہیں ہے بلکہ رسولؐ
 حجت ہے جبکہ وہ کتاب آسمانی پڑھے۔ اس آیت میں جو لفظ تلاوت
 آیا ہے جسکے معنی پڑھنے کے لئے گئے ہیں درحقیقت اُس پڑھنے
 سے یہ مراد ہے کہ وہ رسولؐ قرآن کو لوگوں پر ہدایت کے لیے پہنچاتا ہے
 اور اُس سے ہدایت کرتا ہے اور اُس قرآن کو بتاتا ہے صرف زبان سے
 لفظ نکالنا اور کرنا مقصود نہیں ہے پس پیغمبرؐ نے جس طور سے کہ قرآن کو
 بتایا ہو وہی ہدایت ہو سکتا ہے مجرد قرآن نہ کافی ہو سکتا ہے حجت
 مصنف مخاطب اپنی تفسیر اکسیر اعظم میں مشکوٰۃ سے ایک
 روایت کا جواب دے کر نقل فرماتے ہیں کہ رسولؐ
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جیسا کہ قرآن مجھ کو ملا ہے ایسی ہی اُسکی مثال اور
 ہی وحی ملی ہے قریب ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ پیٹ بہرے لوگ
 اپنی مسند و پرستی سے یوں کہیں گے کہ جو حلال حرام قرآن میں
 ہے اُسکو مانو حالانکہ رسولؐ نے جو حرام کیا ہے اُسکا حکم بھی ویسا ہی جیسا
 کہ اس نے حرام کیا ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مجرد قرآن حجت نہیں ہو سکتا بلکہ
 خدا کا رسولؐ بنیہ ہے جو کچھ وہ بیان کرے وہی قرآن ہے۔ وہ قرآن
 نہیں ہے جسکو پیٹ بہرے لوگ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے

ہر کوئی یقین کر سکتا ہو کہ پیٹ بہت لوگ وہی ہو سکتے ہیں کہ جنہوں نے خلافت کو کہا لیا ہوا جنہوں نے خلافت کا دودھ پیا ہوا اور جو معیار حق کہنے والوں کی اور حق پر چلنے والوں کی جتنے ظاہر کی ہر اس کی تائید اس شایہ رسولؐ سے ہوتی ہے۔

اس سے انکار کرنا بہت دشوار ہے کہ پیغمبرؐ نے جو علم قرآن علی مرتضیٰ کو دیا اور ہر آیت کی تفسیر عیسائی انکو بتائی اور جبکہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور جہان کے پاس موجود تھی جس کا وجود کتب معتبرہ اہل سنت سے ہم اکثر مقام پر دکھاتا ہے ہیں ویسا علم قرآن پیغمبرؐ نے کسی کو نہیں دیا اور نہ ویسی کوئی تفسیر کیسے پاس تھی۔

چنانچہ مصنف مخاطب ہی اپنی تفسیر اکبر اعظمؒ میں قبول کرنے میں کہ ۷۷ عالم علی مرتضیٰ کا سب سے اعلیٰ اور افضل تھا (جلد اول صفحہ ۲۴)

وہی علم قرآن اور وہی تفسیر جو پیغمبرؐ نے علی مرتضیٰ کو بتائی تھی اور علی مرتضیٰ کی لکھی ہوئی انکے پاس موجود تھی وہی علم اور تفسیر قرآن بذریعہ ارشاد کے تمام ائمہ اہلبیت کے پاس برابر چلا آیا ہے اور قرآن میں انکو خدائے وارث کتاب اور سیغہ میں علم کتاب کا رکھنے والے اور مع علم صحون فی العلم تاویل قرآن کے جاننے والے اور قرآن جتنے

استنباط کر نیوالے بتایا اور فرمایا ہے اور امت رسول کو یہ حکم دیدیا ہے کہ
 ”اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی“
 ایسے اولی الامر جنکی اطاعت مثل اطاعت رسول خدا کے فرض کی
 گئی ہو سوا علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت کے کوئی نہیں ہو سکتا دیکھو
 مسالہ رکشی نمبر ۲۵ بحث مسئلہ امامت جلد دوم

اس اعتبار سے شیعہ قول امام کو حجت قرار دیتے ہیں جو مطابق
 قرآن کے ہے اور جیسا کہ مصنف کہتے ہیں کہ ”شیعوں نے یہ مسئلہ ایجاد
 کر لیا ہے کہ قرآن حجت نہیں امام کا قول حجت ہے“ اُس شان سے انکا
 کہنا صحیح نہیں ہے۔

مصنف مخاطب اپنے قول کی سند کے لیے حاشیہ پر یہ ظاہر کرتے
 ہیں کہ ”اصول کافی کی کتاب الحجۃ میں سب سے پہلے ہی مضمون
 بڑی تفصیل سے مذکور ہے“

اصول کافی کی کتاب الحجۃ میں سب سے پہلے باب ۱۰
 ”الحجۃ“ ہے جسکے یہ معنی ہیں کہ انسان کو چارہ نہیں ہے کہ وہ حجت
 کی اطاعت نہ کرے اور اُس باب میں کسی شیعہ عالم کا کوئی مضمون
 مندرج نہیں ہے بلکہ ائمہ اہلبیت سے چند روایات جنکا تعلق اُس
 باب سے ہے منقول ہوئی ہیں اور جنکا ترجمہ ہم لکھتے ہیں تاکہ ظاہر ہو جائے

کہ مصنف مخاطب کا استدلال اُس پر کہاں تک صحیح ہے۔
 شروع میں یہ روایت ہے کہ ۲۲ ایک زندیق نے امام جعفر صادقؑ
 سے پوچھا کہ تم نے کہا ہے ثابت کیا کہ نبی اور رسول خدا کی طرف سے ہوتا
 ہیں فرمایا کہ جب ہکو ثابت ہو گیا یہ کہ واسطے ہمارے خالق ہی اور
 صالح ہی برتر ہے اور مخلوقات سے اور ہی وہ صالح حکیم بلند مرتبہ۔
 نہیں جائز ہو سکتا یہ کہ شاہد کرے اُسکو خلق اُسکی اور نہیں چھوٹی
 ہیں وہ اُسکو کہ مباشرت کرے وہ اُسے اور مباشرت کریں وہ اُسکی
 اور محبت کریں وہ اُس سے اور محبت کرے وہ اُسے ثابت ہوا یہ کہ
 واسطے اُسکے چ خلق اُسکی کے سفیر ہیں کہ عبرت دلاتے ہیں وہ
 اُس سے طرف خلق اُسکی کے اور بندوں اُسکے کے اور راہ دکھاتے
 ہیں وہ اُنکو اور مصالح اُنکے کے اور منافع اُنکے کے اور اُس چیز پر
 کہ جس سے بقا اُنکی ہے اور جس کے ترک سے فنا اُنکی ہے پس ثابت
 ہوے امر کرنے والے اور نہی کرنے والے حکیم علیہم کی طرف سے چ خلق اُسکی
 کے اور عبرت دلانے والے اُس خداے بزرگ اور غالب کی طرف
 سے اور وہ انبیاء ہیں اور برگزیدہ ہیں خلق اُسکی سے حکما ہیں ادب
 دینے والے ساتھ حکمت کے براہِ نیختہ ہیں ساتھ اُس حکمت کے
 لوگوں میں سے کوئی اُنکا شریک نہیں ہے یا وصف مشارکت اُنکی

خلقت اور ترکیب کے کسی چیز میں ان کے احوال سے تائید کیے گئے
ہیں نزدیک حکیم علیم سے ساتھ حکمت کے پرتابت ہو یا یہ کہ ہر ذرہ
اور زمانہ میں جو کچھ لائے رسول اور انبیاء دلیلون اور برہانوں سے
خالی نہ رہی زمین خدا کی کسی حجت سے کہ ہو اُس کے ساتھ علم کے دلائل
کے اوپر صدق مقال اُس کے کے اور جو از عدالت اُس کی کے ۔
یہ ارشاد امام علیہ السلام کا مطابق اس آیت کے ہے۔

آیت

وَلَوْلَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرِّسَالَةِ ۚ

ترجمہ: تاکہ نہ ہو واسطے آدمیوں
کے اور خدا کے حجت بعد پیغمبر کے

جس کا یہ مقصود ہے کہ مخلوق خدا پر یہ حجت نہ لائے کہ بعد رسول
کے ہم پر کوئی حجت نہیں تھی اس لیے ضرور ہے کہ بعد رسولوں کے
بھی حجت خدا مخلوق پر ہر زمانہ میں باقی اور قائم ہو اور بعد رسولوں
کے صرف یہی حجت ہو سکتی ہے کہ رسول نے جو کتاب اور اُس
کتاب کا علم اور اُس علم کے جاننے والے چھوڑے ۔ علم کتاب
اور اُس کے جاننے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں کہ جن کو نبی نے
کامل علم دیا اور اُن سے جس کسی نے لیا اور وہ علم کتاب کے جاننے

لہ پارہ ۱ سورہ نساء رکوع ۳۰

والے کہ جنکو منجیر نے کامل علم دیا سو ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے کوئی نہیں ہو سکتا اور اُن سے جس کسی نے علم لیا وہ سوا فرقہ شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کے اور کوئی قرار نہیں پاسکتا جب تک کہ دور امام دوازدهم کا قائم ہو۔

پھر روایت ہے کہ ۱۲ راوی نے کہا امام جعفر صادق علیہ السلام تحقیق اسد بزرگ اور گرامی تر ہے اس سے کہ چنوا یا جائے ساتھ خلق اپنی کے بلکہ خلق پہچانے اسد کو فرمایا سچ کہا تو نے (راوی کہتا ہے کہ) کہا میں نے تحقیق کہ جس کسی نے پہچانا یہ کہ تحقیق اُس کے واسطے پروردگار ہی پس تحقیق کہ سزاوار ہے یہ کہ پہچانے کہ واسطے اُس پروردگار کے خوشنودی اور غضب ہے اور تحقیق نہیں پہچانی جاتی خوشنودی اُسکی اور غضب اُسکا مگر ساتھ وحی یا رسول کے پس جبکو وحی آتی ہو پس تحقیق سزاوار ہے اُسکو یہ کہ طلب کرے رسول کو پس جبوقت کہ ملاقات کی اُنہوں نے پہچانا اُنہوں نے حجت کو اور تحقیق اُنکے لیے ہے طاعت فرض کی گئی (راوی کہتا ہے کہ) کہا میں نے لوگوں سے آیا ہیں جانتے ہو تم یہ کہ تھے وہ حجت خدا کی طرف سے اور پر خلق اُسکی کے کہا اُن لوگوں نے ہاں کہا میں نے کہ پس جبوقت کہ گذر گئے رسول صلعم کون ہو گا حجت اور پر خلق اُسکی کے پس کہا اُن لوگوں نے قرآن میں نظر (فکر) کی میں نے قرآن میں پس میری خاطر میں گذرا کہ جملہ کرتی

ہیں اُسی قرآن میں مرجی اور قدری اور بدلیق جو ایمان لایا ہوا نہیں ہوتا
 ہر اُسکے ساتھ یہاں تک کہ غالب ہو جاتا ہے وہ لوگوں پر ساتھ اپنی جگہ
 کے پس پچانا میں نے تحقیق کہ قرآن نہیں ہوتا ہر حجت مگر ساتھ قائم
 رکھنے والے کے پس جو کچھ کہے جو کچھ اُسمیں ہر ہر حق (راوی کہتا
 ہے کہ) کہا میں نے اُن لوگوں سے کون ہر قائم رکھنے والا قرآن کا۔ کہا
 اُنہوں نے ابن مسعود تحقیق کہ وہ جانتا تھا اور عمر جانتا تھا اور حفص جانتا
 تھا کہا میں نے کہ پورا اُسکو کہا اُنہوں نے نہیں پس نہ پایا میں نے
 کسی کو کہ کہا جائے کہ وہ پورے قرآن کو پچاتا تھا مگر علی علیہ السلام
 اور جب کچھ ہوتا تھا درمیان قوم کے پس کستا تھا یہ کہ نہیں جانتا ہوں
 میں اور کستا تھا یہ کہ نہیں جانتا ہوں میں اور کستا تھا یہ کہ نہیں جانتا ہوں
 میں اور کستا تھا یہ کہ جانتا ہوں میں اور گواہی دیتا ہوں میں یہ کہ علی
 تھے تحقیق کہ قائم رکھنے والے قرآن کے اور تھی طاعت اُنکی فرض
 کی گئی اور تہجرت اور پر لوگوں کے بعد رسول کے اور جو کچھ کہ کہا ہوں
 نے کہ قرآن میں ہر پس وہ حق ہر پس فرمایا (امام نے) کہ رحمت
 کرے تمہکو اللہ

اس راوی کا کہ جو صحابی امام سے تھا نتیجہ حجت مطابق اس میں

لہذا یہ مشاہدہ ہر طرف اشخاص نہ جاننے والوں اور جاننے والوں قرآن کے۔

کے ہی۔ آیت

۞ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ
وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ
أُولُو الْأَلْبَابِ ۞

ترجمہ ۷۷ کہ تو (اے پیغمبر) کیا بلا ہے
ہیں وہ لوگ کہ جانتے ہیں اور وہ
لوگ کہ نہیں جانتے ہیں سوا اس کے

نہیں ہے کہ نصیحت پہنچاتے ہیں صاحبان عقل ۷۷

پہرہ روایت ہے کہ ۷۷ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت
میں ایک جماعت اُن کے اصحاب سے تھی جن کے نام مذکور ہوئے ہیں
اور ہشام بن الحکم بھی اُن میں تھے درحالیکہ وہ جوان تھے پس فرمایا
امام علیہ السلام نے اے ہشام آیا نہیں خبر دیگا تو مجھ کو کہ کیا کیا تو نے
عمر بن عبید کے ساتھ اور کیونکر پوچھا تو نے اُس سے کہا ہشام
نے اے فرزند رسول صلعم تحقیق کہ جلیل تر جاتا ہوں میں آپ کو اور شرم
کرتا ہوں میں آپ سے اور کارگر نہیں ہوتی ہے میری زبان آپ کے سامنے
پس فرمایا جس وقت حکم کیا ہے تم کو کسی چیز کا پس کرو تم عرض کیا ہشام
نے مجھ کو خبر پوچھی اُس چیز کی کہ جس میں عمرو بن عبید تھا عمرو بن عبید کا
مذہب معتزلہ تھا اور اُس کے بیٹے کی مسجد بصرہ میں ہے پس دشوار ہوا
وہ امیر پیر پس نکلا میں اوپر اُس کے اور داخل ہوا میں بصرہ میں دن جمعہ
۱۵ سورہ نعر۔

کے اور آیا میں مسجد بصرہ میں پس ناگاہ میں پہونچا ایک حلقہ بزرگ
 میں کہا میں عمرو بن عبید تھا کہ ایک شملہ سیاہ پہنے ہوئے اور
 لنگ شمشیری باندھے ہوئے تھا اور ایک شملہ کو ادا کیے ہوئے تھا
 اور لوگ پوچھتے تھے اُس سے پس راہ لے لی میں نے لوگوں
 سے اور انہوں نے راہ مجھ کو دیدی پر میں بیٹھ گیا اخیر لوگوں میں دو زانو
 پر کہا میں نے کہ اسے عالم میں مرد مسافر ہوں آپ اجازت دیجیے
 میں مجھ کو ایک مسئلہ میں اُس نے کہا ہاں پر پوچھا میں نے اُس سے
 کہ تمہارے لیے آنکھ ہی پس کہا اُس نے اسی فرزندک میرے یہ کیا چیز
 ہی پوچھنے کی اور جس چیز کو دیکھتا ہی تو کیا سوال کرتا ہی تو اُس سے
 پر کہا میں نے کہ میرا مسئلہ ایسا ہی ہی پر کہا اسی فرزندک میرے
 پوچھ تو اگر یہ ہو مسئلہ تیرا حلاقت کا کہا میں نے جواب دو مجھ کو کہا
 اُس نے پوچھ کہا میں نے تمہارے لیے آنکھ ہی کہا ہاں کہا میں نے
 پس کیا کرتے ہو تم اُس سے کہا دیکھتا ہوں میں ساتھ اُس کے زانو
 کو اور صبروں کو کہا میں نے کہ تمہارے لیے ناک ہی کہا ہاں کہا
 میں نے پس کیا کرتے ہو تم اُس سے کہا اُس نے سونگھتا ہوں
 اُس سے بو کہا میں نے تمہارے لیے مُنہ ہی کہا ہاں کہا میں نے
 پس کیا کرتے ہو تم اُس سے کہا کہ مرہ لیتا ہوں میں ساتھ اُس کے

کہا نیکی چیز دیکھا کہ میں نے تمہارے لیے کان پر کہا بان کہا میں نے
 کیا کرتے ہو تم اُس سے کہا کہ جتنا ہو نہیں ساتھ اُسکے آواز کہا میں
 نے تمہارے لیے دل پر کہا بان کہا میں نے کیا کرتے ہو تم ساتھ
 اُسکے کہا تیر کرتا ہو نہیں ساتھ اُسکے جو کچھ وارد ہوتا ہر اور پلان جواج
 اور حواس کے کہا میں نے آیا نہیں ہر چچ ان جواج کے بی نیازی
 قلب سے کہا نہیں کہا میں نے کیونکر ہو سکتا ہو وہ در حالیکہ
 وہ صحیح و سالم ہیں کہا اے فرزندِ میرے تحقیق کہ جواج جب وقت
 شکا کرتے ہیں کسی چیز میں سونگنے میں یا دیکھنے میں یا چکھنے میں
 یا سننے میں پس لوٹتے ہیں اُسکو طرفِ قلب کے پس حاصل
 ہو جاتا ہر یقین اور شک باطل ہو جاتا ہر پہر کہا میں نے کہ عجب
 اُسکے نہیں ہر کہ قائم کیا اللہ نے قلب کو واسطے شک جواج
 کے کہا بان کہا میں نے فرود ہر کہ دل چاہیے اور نہیں تو یقین
 جواج کو نہو کہا بان پس کہا میں نے اُس سے کہ اے ابو مراد اے
 اللہ تبارک اور تعالیٰ نے نہ چوڑا جواج تیرے کو یا تک کہ گردانا
 واسطے اُسکے امام کہ صحیح کو ہے واسطے اُسکے صحیح ہو نیو اور یقین
 دلائے ساتھ اُسکے جو کچھ کہ شک رکھیں اُس میں اور چوڑ دے (خدا)
 پوری خلق کو چچ ہر تانگی کے اور شک اُنکے کے اور اختلاف اُنکی

کے مقام کمرے واسطے اُنکے امام کہ لوٹا دین طرف اُسکے شک اپنا اور
حیرت اپنی اور قائم کرے تیرے لیے ہشتاد واسطے جو ارج تیرے کہ لوٹائے
تو طرف اُسکے حیرت اپنی اور شک اپنا پس چپ ہو گیا وہ اور نہ کہا
اُسنے کچھ پر ملتفت ہوا وہ طرف میرے اور کہا مجھے کہ تو ہشام بن
الحکم ہی پس کہا میں نے نہیں (رواضح ہو کہ ہشام بن الحکم نے جو
ہجگہ اپنے ہونیسے انکار کیا ہی اُسکی شان یہ نہیں ہے کہ اُنہوں نے جھوٹ
بول بلکہ بات یہ ہے کہ ہشام بن الحکم اپنے اسی قسم کے اوصاف اور
علم دلائل حکمیہ میں مشہور تھے اُنکے اس موقع پر انکار کی شان یہ ہے
کہ جیسے کسی شخص میں کچھ حقیقی اوصاف ہوں اور کوئی اُسکے منہ پر
اُسکے اوصاف کا ذکر کرے تو وہ بوجہ انکسار نفس کے اُسکے قبول
کا اظہار نہ کرے گا اور وصف ذمہ عجیب سے اپنے آپکو بچائے گا) پھر کہا
اُس (عمر بن عبدیہ ابو مروان) نے کہ تو اُسکے اہل جلسہ سے ہے
کہا میں نے کہ نہیں کہا پھر کس جگہ سے ہے تو کہا میں نے اہل کوفہ
سے کہا پس تو وہی ہو گا پھر چٹا لیا مجکو اور بٹھایا مجکو اپنی جگہ اور
اپنی جگہ سے ہٹ کر بٹھا اور کسی سے کچھ بات نہیں کی جب تک کہ
میں اوٹھ آیا کہا (راوی نے) پس مہنس پڑے امام جعفر صادق علیہ
السلام اور فرمایا اے ہشام کہنے سکھایا تجکو یہ کہا میں نے کچھ لیا

نے اُسکو آپسے اور تالیف دیا میں نے اُسکو پس فرمایا یہ ہر قسم ہر خدا
کی لکھا ہوا صحف ابراہیم اور موسیٰ میں لکھا
امام علیہ السلام کے ارشاد میں اشارہ اس آیت پر ہے۔

آیت

”قُلْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ وَذَكَرَ اسْمِ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۚ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ خَيْرَۤا ۚ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصَّحَفِ الْاُولٰٓئِ ۚ صَحُفٌ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوسٰىؑ“
ترجمہ ”تحقیق کہ رستگاری پائی
اُس شخص نے کہ پاکیزہ ہوا اور یاد
کیا نام پروردگار اپنے کو اور نثار
پڑ ہی بلکہ اختیار کرتے ہو تم زندگی
دنیا کو اور آخرت بہتر ہے اور باقی
رہنے والی ہر تحقیق کہ یہ کتابوں پلوی نہیں ہر صحف ابراہیم اور
موسیٰ میں۔“

اس روایت میں ہشام بن الحکم کی جو ایک دلیل فلسفیانہ مذکور
ہوئی ہے وہ ایسی مستحکم ہے کہ جسکو کسی طرح نہ زلزل نہیں ہو سکتا۔ تمام
حکماء اسلام اور غیر اسلام طبیعیات اور تمدن کے جاننے والے
اس امر کے قائل ہوئے ہیں کہ جیسے ایک انسان کے جسم میں
اعضا اور جو اس جدا گانہ ہیں ویسے ہی کل انسان بنی نوع آدم

ایک صہم ہو اور ہر فرد انسان اُس کا جوارح ہو کہ جو انسان کے تمدن اور ایک دوسرے کو نفع پہنچانے کے لیے کہ جس پر مہار زندگی گانی انسان کا ہدف رہا ہے۔ چنانچہ شیخ سعدی بھی اس مسئلہ کو قبول کر کے کہتے ہیں۔ ع۔ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔

جب ہر فرد انسان میں صانع عالم نے ایک عضو (قلب) ایسا وضع کیا ہے کہ جو وقت جوارح کو کسی چیز کی حس ہوتی ہے اور دغہ پیدا ہوتا ہے تو وہی قلب تیز کر کے اُس دغہ کو فرو کر دیتا ہے اور مرتبہ یقین پر پہنچا دیتا ہے۔

ایسی حالت میں مجموع انسانوں میں کہ جو جوارح سمجھے جاتے ہیں ضرور ہے کہ ایک شخص انہیں سے مثل دل کے ہو کہ جب کسی فرد انسان کو اپنی حس کی ہوئی شئی میں شک ہو تو وہ اُس شک کو دور کر کے یقین دلاے۔

جب مختلف طور پر پیدا انسان قرآن سے بذریعہ اپنی کسی حس کے کچھ حاصل کریں اور اُس میں اختلاف اور شکوک واقع ہوں تو ضرور ہے کہ رجوع طرف اُس شخص کی کیجائی کہ جو دل کا حکم رکھنے والا ہو کہ جو دغہ رفع کر کے یقین دلا دیکھا اور ضرور ہے کہ وہ امام ہوگا۔

یہ ہیں وہ روایات کہ جنہیں حجت خدا کا بیان ہوا ہے اور جس جھوٹ کو کہ اصحاب حجت خدا نے بیان کیا ہے اور اُسکو حجت خدا نے قبول کیا ہے اور جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن کس نوع سے حجت ہے اور قول امام کہ حجت خدا ہے کس نوع سے حجت ہے۔

مصنف مخاطب نے ان روایتوں اور انکی جھوٹ کو بغیر نقل کرنے کے کہ جسکو اہل تحقیق دیکھ سکتے ہیں اپنی طبیعت سے اپنی عادت کے موافق ایک غلط استنباط کر کے شیعوں کی نسبت الزام مجاہد کرنے ایک مسئلہ کا ایسی شان سے ظاہر کیا ہے کہ جو خلاف حقیقت ہے۔

اگر مصنف مخاطب ان روایات کو نقل کرتے اور سچائی سے کچھ اسکی نسبت لکھتے تو ہمکو یقین ہے کہ وہ اس مسئلہ کی حقیقت ایسی ہی قبول کرتے جیسی کہ ہم نے دکھائی ہے۔

اور ایسی حالت میں یہ کہنا مصنف مخاطب کا کہ شیعوں کے نزدیک قرآن حجت نہیں بالکل غلط ہے البتہ شیعوں کے نزدیک امام کا قول حجت ہے جو کچھ کہ وہ قرآن سے بتائے اور جو کچھ کہ قرآن سے بتایا وہ عین قرآن ہے اور امام جو کچھ قرآن سے بتائے اُسکو قبول نہ کرنا اور اپنی رائے سے دوسرے معنی بنانا قرآن میں بڑی

کرنا ہر اور ایسی تحریف کے قرآن میں ہونے سے یقینی اہلسنت کچھ ہرج
نہیں سمجھتے ہیں اور افسوس ہے کہ وہ ایسی تحریف کی پروا نہیں
کرتے ہیں۔

یہ بیان مصنف کا کہ وہ متقدمین شیعہ کا اس سلسلہ پر اجماع اور
اتفاق تھا کہ قرآن میں تحریف ہوئی۔ بالکل غلط ہے مصنف مخاطب
اپنے بیان کی تصدیق کے لیے نہ کوئی سند پیش کرتے ہیں کسی
متقدم شیعہ کا نام لکھتے ہیں اور کوئی روایت ائمہ کی اس مضمون کو
ثابت نہیں کرتی ہے بلکہ ائمہ نے آیات قرآنی کے جو معنی اور مراد
بیان فرمائے ہیں ان کے وہ الفاظ تفسیری ہیں۔

مصنف مخاطب نے جیسے متقدمین شیعہ کا تحریف قرآنی
پر اجماع اور اتفاق غلط بیان کیا ہے ویسے ہی ان کی طرف سے ان کا قول
ہی نمایاں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ متقدمین یہ کہتے تھے کہ جب ائمہ نے
تفسیری خبر دی اور بعض الفاظ ہی بتا دیے جو نکال دیا گئے
وہ مضمون ائمہ سے باسانید صحیحہ بہت سے طرق سے ثابت ہوا
تو تحریف قرآن کا انکار نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ائمہ کے اقوال پر
یقین کرنا واجب ہے۔

مصنف مخاطب کو لازم تھا کہ وہ قول متقدمین کو نقل کرتے

یا کسی کا نام ظاہر کرتے یا کسی کتاب کا حوالہ دیتے اُس وقت حقیقت بیان صنف کی ظاہر ہو جاتی۔

ہر کجہا تک معلوم ہر علمائے شیعہ کا برابر ہی مقصود رہا ہوا اور ایسا ہی اُنکے بیان کی مراد ہے کہ ائمہ نے جو کچھ آیات قرآنی کی نسبت فرمایا ہے وہ تفسیری ہے اور اُسکے خلاف جس کسی نے جو کچھ بیان کیا وہ تفسیر بالرای اور تحریف بالمعنی ہے۔

اور اسی اعتبار سے بیشک ائمہ کے اقوال پر یقین کرنا واجب ہے انہوں نے جو کچھ تفسیر فرمائی ہے وہ تفسیر بتائی ہوئی بغیر خدا صلعم کی اور لکھی ہوئی علی مرتضیٰ صلوات اللہ علیہ کے بموجب ہے اور علم ائمہ برابر ماخوذ اُسی علم سے چلا آیا ہے کہ جو علم پیغمبر نے علی مرتضیٰ کو تعلیم فرمایا تھا بیشک ائمہ کی مخالفت کسی حالت میں جائز نہیں اور اُس سے مذہب اسلام کی اصلی حالت اور اُسکی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ برخلاف اُسکے اہلسنت نے غیر اہلبیت رسول کے جہ کچھ قرار دیا ہے وہ قطعی غلط ہے اور اُسی سے مذہب اسلام پر اثر ضرور لازم آتے ہیں کہ جو قابل شرم کے ہیں۔

صنف متقدمین شیعہ کا ذکر طبراذ ظاہر کر کے یہ کہتے ہیں کہ در متاخرین شیعہ میں ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جسے اہل مذہب سے یہ

مسئلہ سیکہ کہ قرآن میں تحریر نہیں ہوئی اور پورا قرآن ہی برہان
موجود ہے شریف مرتضیٰ اور ابن بابویہ صاحب رسالہ اعتقاد یہ اس
مسئلہ کے موجد ہیں اور طبرسی صاحب تفسیر مجمع البیان نے بھی یہی
قول اختیار کیا ہے۔ اس فرقہ جدید کو قرآن میں تحریر بتانے سے
بشم آئی اس لیے انہوں نے ائمہ کے اقوال کو علانیہ رد کر دیا اور اپنے
مقدمین کو اس مسئلہ میں گمراہ بتایا۔

یہ بیان مصنف مخاطب کا بالکل خلاف حقیقت کے ہے۔
مذہب شیعہ اثنا عشریہ میں کبھی کوئی نیا فرقہ پیدا نہیں ہوا جیسا
کہ مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ یہ فرقہ اس بات کا قائل
چلا آتا ہے جو ہم متعدد جگہ دکھا آئے ہیں کہ اصل قرآن پیغمبر نے اپنی
حمد میں لکھوا دیا تھا اور وہی اصل قرآن اب تک متداول میں آتا
ہے۔

البتہ اپنے عہد میں معنی آیات قرآنی کو جو کچھ پیغمبر نے ظاہر فرمایا
ہو اور آیات قرآنی کی مراد سمجھائی ہو وہ ارشادات پیغمبر کو اصل اور
متن قرآن میں نہیں تھے مگر مثل قرآن اور حکم قرآن میں تھے۔ اور
ارشادات پیغمبر کے کثرت سے اخبار خود اہلسنت کے بیان بھی
موجود ہیں۔

چنانچہ اپنی تفسیر اکسیر اعظم جلد ثانی کے صفحہ ۸۸ پر جبکو تشریح سے ہم پہلے لکھا ہے میں مصنف مخاطب قبول کرتے ہیں کہ بعض الفاظ جو بطور تفسیر کے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائے تھے انکو بھی صحابہ قرآنین لکھ لیتے تھے تفصیل اسکی اتقان میں مذکور ہے۔

شیعہ انا عشریہ کو یقین ہے کہ پیغمبر نے تمام آیات قرآنی کے معنی اور مراد علی مرتضیٰ کو بتا دی تھی اور علی مرتضیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھ لیا تھا اور وہی ائمہ اہلبیت کے پاس بحیثیت کتاب کے چلا آیا اور اسیکی بموجب ائمہ اہلبیت ارشاد فرماتے رہے ہیں۔

جو چیز کہ مثل قرآن کے اور حکم قرآن میں تھی اور تمام ارشادات پیغمبر جکا تعلق قرآن سے اور احکام سے تھا از روی وحی کے تھا اُس تفسیر پیغمبر کے قرآن موجودہ میں شامل نہونیکو اگر تحریف کہا گیا ہے تو جس اعتبار سے کہ کہا گیا ہے اُس اعتبار سے وہ غلط نہیں ہے لیکن کسی شیعہ نے اصل اور متن قرآن موجودہ کو کسی وقت یہ نہیں کہا کہ باعتبار اپنے اصل اور متن کے اُسین تحریف ہے۔

پیغمبر سے لوگ دریافت کرتے تھے اور مراد آیات قرآن کو نہیں سمجھتے تھے اُسکا ذکر خود قرآنین موجود ہے کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآنین بہت کچھ بطور کلیہ کے بیان ہوا ہے اور جبکا اجمال تشریح

طلب تھا۔ آیت

يُوسِفُتَفْتَوْنَكَ فِي النِّسَاءِ
 قُلْ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي مَا يَتْلُو
 عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ ۖ

ترجمہ: اور فتویٰ چاہتے ہیں تجھے
 بیچ عورتوں کے (اس موقع پر یہ احتمال
 ہیں کہ بیچ حق عورتوں کے جو درمیان

زن و شوہر کے ہوتا ہے یا میراث عورتوں کے کہ انکی کوئی میراث اور وہ
 کسی سے میراث پاسکتی ہیں یا بیچ نکاح اور مہر عورتوں کے کہ کسکے
 ساتھ نکاح جائز ہے اور تعداد مہر کیا ہونا چاہیے) کہ تو (اسے بغیر)
 خدا فتویٰ دیتا ہے تمکو بیچ ان کے اور اس چیز کے کہ پڑھی جاتی ہے اور
 تمہارے بیچ کتاب کے

جس سے ظاہر ہے کہ باوصف اسکے کہ قرآن میں کچھ نازل ہو۔
 اس میں بھی کسی فتویٰ کی دیے جانے کی ضرورت رہتی ہے۔

آیت

يُوسِفُتَفْتَوْنَكَ قُلْ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ
 فِي الْكَلَالَةِ ۖ

ترجمہ: فتویٰ چاہتے ہیں تجھے
 کہ تو خدا فتویٰ دیتا ہے تمکو بیچ کلالہ

کے

یہ آیت کلالہ کی تشریح میراث کے متعلق نازل ہوئی ہے باوصف

پارہ ۵۔ رکوع ۱۶۔ سورہ نساء ۱۱۵ پارہ ۶۔ رکوع ۴۔ سورہ نساء۔

اسکے کہ پہلے آیت میراث ہر ایک کے لیے نازل ہو چکی تھی اور اس آیت میں ہی کلالہ کے معنی نہیں بتائے گئے ہیں اور بعد وفات پیغمبر کے حضرت ابو بکر نے ظاہر کیا ہے کہ وہ معنی کلالہ کے نہیں جانتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ معنی کلالہ کے نہیں جانتے تھے اور پیغمبر سے اُنہوں نے پوچھا ہی نہیں۔

اور یہی حالت حضرت عمر کی مسئلہ ربا میں ہوئی کہ وہ ربا کے تعریف نہ پوچھنے پر افسوس کرتے رہے۔ حضرات شیخین کی لٹلی کے بہت نظائر ہم دوسرے حصہ ضمیمہ جلد اول میں دکھاتے ہیں۔ لیکن جس کسی نے پیغمبر سے کچھ پوچھا ہو یا جو کوئی اُسکو جانتا ہو اور پیغمبر کے ارشاد کے بموجب اُسکی تفسیر کرے وہ مثل قرآن اور حکم قرآن میں ہے۔ آیت

﴿فَمَا تَلُمُوهَا لِقَوْمٍ لَّا يَكَادُونَ
يَفْقَهُونَ حَدِيثًا﴾
ترجمہ ۷۷: پس کیا ہے واسطے اس قوم کے نہیں نزدیک ہیں کہ سمجھیں وہ بات کو؟

آیت

﴿انظروا كيف نصرف الايات﴾ | ترجمہ ۷۷: دیکھ تو کہ کیونکر ہم یہ آیتیں

۷۷ پارہ ۵۔ رکوع ۸ سورہ نساء۔

لعلم یفہمونیؑ

ہم آیات کو کاش وہ سمجھیں

اس تصرف کے نہ اس وقت لوگ سمجھتے تھے اب سمجھتے ہیں اور غلط فہمی
یا خود غرضی سے معنی آیات میں تصرف کرتے ہیں۔

آیت

”قد فصلنا الایات لقویر“ ترجمہ ”تحقیق کہ تفصیل کی ہوتی ہے
یفہمونیؑ“ آیات کی واسطے اُس قوم کے کہ

سمجھتے ہیں (انہوں نے نہ سمجھنے والوں نے کسی طرح نہ سمجھا)

آیت

”واذا ما انزلت سورۃ نظر“ ترجمہ ”اور جب وقت کہ نازل کی
بعض ہماری بعض ہلیرا کہ میں جاتی ہر کوئی سورۃ دیکھتے ہیں
احلثم انصرفوا صرف اللہ بعض اُنکے طرف بعض کے آیا
قلوبکم باختم توملا“ دیکھتا ہر تلو کوئی پہر پہر جاتے ہیں
یفہمونیؑ“ وہ پہر پہر خدا نے دل اُنکے کو

اس واسطے کہ تحقیق وہ قوم ایسی ہر کہ نہیں سمجھتے ہیں۔

آیت

۱۔ پارہ ۷ رکوع ۱۸ سورۃ انعام ۳۷ پارہ ۸ رکوع ۱۸ سورۃ انعام ۳۷ پارہ ۹ رکوع ۵ سورۃ توبہ۔

۲۷۔ بل کا نوالا یفقیہون الاقلیاء ترجمہ ۲۷۔ بلکہ ہیں وہ کہ نہیں سمجھتے

ہیں وہ مگر توڑا ۲۷۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ پیغمبر سے فتویٰ پوچھا جاتا تھا اور لوگ مقاصد آیات کو نہیں سمجھتے تھے اس لیے ضرورت تھی کہ پیغمبر معنی اور مراد آیات کی بتائیں اور سمجھائیں اور اس کا نام تفسیر ہی اور آیات میں جو لفظ ۲۷۔ یفقیہون ۲۷۔ آیا ہے اس کا مصدر فقہ ۲۷۔ مسأل جو قرآن سے نکالے گئے ہیں اور سمجھائے گئے ہیں اس کا نام اصطلاح میں علم فقہ رکھا گیا ہے جس کو قرآن سے پیغمبر نے بتایا ہے اور علیؑ نے اس کو پیغمبر سے سیکھا تھا اور وہی علم دیگر ائمہ اہلبیت کے پاس چلا آیا اور علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت نے اُسی علم سے ہر زمانہ میں برابر لوگوں کو ہدایت کی اور تعلیم دی اور زمانہ ائمہ اہلبیت میں کتب مسائل صحابہ ائمہ وقتاً فوقتاً کم و زیادہ تصنیف اور تالیف کرتے رہے۔

ایسی حالت میں اصل اور متن قرآن کی تحریف کا کیونکر کوئی قائل ہو سکتا ہے البتہ جو تفسیر کہ پیغمبر نے فرمائی تھی اور اُس کے بموجب ائمہ اہلبیت نے تعلیم اور تلقین کی ہے اس کو جو کوئی نہ مانے اور مٹا اُس کے اپنی رائے سے تفسیر کرے وہ قرآن کا تحریف کرنے والا سمجھا جاتا

۲۷۔ بارہ ۲۷۔ رکوع ۱۰۔ سورہ فتح۔

ہی اور ایسا گروہ غیر فرقہ شیعہ اثنا عشریہ قرار پاسکتا ہی نہ فرقہ شیعہ اثنا عشریہ
کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہی کہ جو قرآن مع تفسیر بتائی ہوئی اور سکھائی
ہوئی پیغمبر کی باعتبار معنی اور مراد آیات کے ہو وہ قرآن کامل اور رُک
نہیں ہی کیا وہ ارشاد تفسیری پیغمبر کا بموجب وحی کے نہیں تھا وہ
کیا وہ وحی وہی وحی نہیں تھی جسکی نسبت تفسیر مصنف مخاطب
سے ابھی پہلے ایک روایت نقل کی ہی کہ پیغمبر نے فرمایا ہی کہ جیسا کہ قرآن
مجھ کو ملا ہی ایسی ہی اُسکے مثل اور یہی وحی ملی ہی۔

اور کیا اسی اعتبار سے وہ قرآن جسکو علی مرتضیٰ نے جمع اور مرتب
کیا تھا اور اُس مصحف کے اخبار خود کتب معتمدہ اہلسنت میں مندرج
ہیں اور جسکے نہ یہ جاننے والے تھے نہ اہلسنت نے افسوس کیا ہی
کامل نہیں تھا۔

وہی قرآن کامل دیگر ائمہ اہلبیت کے پاس رہا اور اسی قرآن
اور علم پیغمبر کے بموجب ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے ہر قسم کی تہدات
کی جہین پند و موعظت وسیع درج تھی۔

آیت

وَلَا تَنْهَازُوا كُرْهُ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ | ترجمہ: نہیں نہیں تحقیق کہ وہ نصیحت
فی صحف مكرمة مرفوعة مطهرة | ہیں پس جو کوئی چاہے یاد کرے

بایدی سفرۃ کو ام پڑھاۓۑ اسکو چھ صحیفوں بزرگ بلند مرتبہ

پاکیزہ کے ہاتھ میں سفیرون بزرگ اور نیک کے ہیںۑ

اس آیت میں خدا نے لفظ سفرۃۑ فرمایا ہے جو جمع سافر کی

ہے یعنی روشن کنندہ اور نویندہ کے اور سفیر ہی اسی لغت سے

آیا ہے اور سفیر شخص درسیانی کو کہتے ہیں اور اس مقام پر ان لوگوں سے

مراد ہے کہ جو منجانب اسطرف مخلوق کے آئے ہوئے ہوں اور کتاب

خدا انکے ہاتھ میں ہو اور اُسکے روشن کر نیوالے ہوں لیکن خدا نے

اس موقع پر لفظ انبیا اور رسولۑ نہیں بولا بلکہ لفظ سفیرۑ بولا

ہے جس میں انبیا اور ان کے اوصیا شامل ہیں اور اس سبب سے ائمہ

اہلبیت جنکے ہاتھ میں کتاب خدا تھی شامل معنی سفرۃۑ کے

ہیں۔

اُس قرآن تفسیری سے جو بموجب وحی کے تھی قرآن موجودہ میں

جس کسی نے نہیں لیا اور اُس تفسیر کو کم کر دیا کیا اسی اعتبار سے نہیں

کہا جاسکتا ہے کہ قرآن میں تحریف کی گئی۔

کافی میں ایک کتاب صرف قرآن کے متعلق ہے جس میں ائمہ

اہلبیت سے روایتیں فضل قرآن کی مذکور ہوئی ہیں ائمہ اہلبیت

نے ارشاد فرمایا ہے کہ یاد کرو قرآن کو اور علم حاصل کرو قرآن کا کہ قیامت کو صفت مسلمان پر قرآن پیش آئیگا اور صفت شہداء اور نبیینؑ اور مسلمان پر گذر کر رب ان عزت تک منتی ہوگا اور کیگا کہ اے پروردگار میرے کچھ لوگوں نے مجھ کو معصون رکھا اور محافظت کی اور کچھ مجھ میں سے ضائع نہیں کیا اور کچھ لوگوں نے ضائع کیا مجھ کو اور استخفاف میرے حق کا کیا اور جوٹ باندہ لیا مجھ پر حالانکہ میں محبت تیری تمام خلق پر تھا (اس جگہ جو ذکر ضائع کرنے اور استخفاف حق کرنے اور جوٹ باندہ بننے کا قرآن پر ہی اُس سے مراد قرآن کے بموجب عمل نہ کرنے اور اُس کے احکام کو نہ ماننے سے اور اُس کے مقصود کو تبدیل کرنے سے ہے۔)

امام جعفر صادق علیہ السلام نے پیغمبر خدا کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ حبس وقت لپٹ جاؤ تم فتنوں میں کہ شب تاریک کے ٹکڑی ہو کر پس لازم کرو اپنے اوپر قرآن کو کہ وہ شفاعت کنندہ ہے (مراد صحیح معنی میں قرآن پر عمل کرنے سے ہے) جس نے قرآن کو اپنے سامنے رکھا اُس کو طرف جنت کے بجائے کسی نے اُس کو پیٹھ کے پیچے پٹنگ دیا اُس کو دوزخ کی طرف گسیٹے گا وہ رہنمائی کرتا ہو یا نہ خیر پر اور اُمین تفصیل ہو اور بیان ہو اور تفصیل ہو اور فصل ہو اور ہزل نہیں ہو

اور اُسکے لیے ظاہر ہوا اور باطن پر ظاہر اُسکا جدا کر نیا لایا اور خوش آئند
 ہوا اور باطن اُسکا مشکل اور گہرا ہی نجوم قرآن عجب عجب میں اور غرائب
 اُسکے بے انتہا ہیں وہ چراغ ہیں ہدایت کے اور منارہ ہیں حکمت
 کے اور دلیل ہیں اوپر معرفت کے جس کسی نے پہچانا اُسکی صفت کو
 امام علیہ السلام یہی فرماتے ہیں کہ خدا نے اپنی کتاب جو پھر
 نازل کی ہے وہ صادق اور احسان کنندہ ہے اور اُس میں بیان حال تمہارا
 اور تیرے گزشتہ اور آئندہ لوگوں کا ہے اور خبر ہے آسمان اور زمین کی ۱
 امام علیہ السلام نے نقل فرمایا ہے کہ علی مرتضیٰ نے وصیت
 کی اپنے اصحاب کو کہ قرآن راہ دکھائیے والا ہے دین میں اور روشنی ہے
 شب تاریک میں جو کوئی کہ کوشش کرے اُسکی موافقت کی ۲
 امام یہی نقل فرماتے ہیں کہ پیغمبر نے فرمایا ہے آدیوں سے
 اہل قرآن اعلیٰ درجہ میں ہیں سوائے نبیین اور مرسلین کے پس خیمین
 کہ اہل قرآن کو اُنکے حق سے ۳

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حافظ قرآن کہ
 جو اُسکا عامل ہو وہ ساتھ ۴ السفرۃ الکرام البہرہ لایکے
 ہے اور جو کوئی کہ پڑھے قرآن کو درحالیکہ وہ جوان اور سوسن ہو قرآن
 اُسکے گوشت اور خون میں مخلوط ہو جائیگا اور جو کوئی کہ پڑھے قرآن کو

اور بچے شقت شدت حفظ اُسکی سے خدا دواجر اُسکو دے گا۔
 پیغمبر خدا صلعم سے نقلاً عامل قرآن کے فضائل ہی امام مہ نے
 بیان فرمائے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ۷۰ افضل ترین
 عمل قرآن کا گولنا اور اُسکا ختم کرنا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ارشاد کا یہ مقصد ہے کہ جو کوئی
 حصہ سواد قرآن سے نہ رکھتا ہو اُسکو آرزو درازی عمر کی غیر ضروری ہے۔
 امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعدد حدیثیں ہیں جہیں
 قرآن کے سیکنے اور یاد کرنیکی تاکید ہے۔ اور جیسی کہ اُسکے سیکنے اور
 یاد کرنیکی تاکید ہے ویسی ہی اُسپر عمل کی تاکید ہے۔

اور یہی ارشاد فرمایا ہے کہ جو کوئی ناموری کے لیے اور طلب
 دنیا کے لیے قرآن کو پڑھے اُسکے لیے اُسین کچھ بہلائی نہیں ہے۔
 یعقوب احمد کو سبب ایک اندوہ کے اندیشہ فراموش ہو جائے
 قرآن کا ہوا تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ملازمت کر قرآن کی تاکہ
 بھول نہ جائے۔

اور ایک ارشاد امام علیہ السلام کا یہ مقصود ہے کہ بھول جائے قرآن
 سے اعلیٰ درجہ جنت میں نہ ملے گا۔

امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمان کو چاہیے کہ نظر کرے
قرآن میں اور پڑھے اس سے ہر روز پچاس آیت۔

پیغمبر خدا صلعم سے امام علیہ السلام نقل فرماتے ہیں کہ میں نے
روشن کرو تم اپنے گروں کو ساتھ تلاوت قرآن کے اور نہ پڑو تم
انگو قبرین۔

پیغمبر خدا اور امام جعفر صادق علیہ السلام اور علی مرتضیٰ علیہ
السلام سے بہت کچھ فضائل و حسنات قرات قرآن منقول
ہوئے ہیں بلکہ سننے والے قرآن کو بھی حسنات کا وعدہ کیا گیا ہے
امام جعفر صادق علیہ السلام یہی فرماتے ہیں کہ میں نے مجھ کو مصحف
کا گرمین ہونا خوش آتا ہے کہ خدا شیاطین کو اس سے دور کرتا ہے اور
یہ ان تک رسد کیا ہے کہ قرآن کا پڑھنا تخفیف عذاب کرتا ہے والین
سے اگر چہ وہ کافر ہوں۔

اسحاق بن عمار نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ میں حفظ
رکھتا ہوں قرآن کو اور قوت دل کے پس پڑھتا ہوں اس کو اللہ کو
قوت دل کے بہتر ہے یا قرآن کو دیکھ کر اپنے فرمایا کہ قرآن کو پڑھو
نظر سے کہ نظر مصحف میں عبادت ہے۔

پہلے الہی بیت علیہم السلام نے طریقہ قرات قرآن کا یہی

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ پڑھو نہیں قرآن کو ایک رات میں فرمایا کہ مجھ کو خوش نہیں آتا ہر کہ پڑھے تو اُسکو ایک مہینہ سے کم میں ملے۔

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ پڑھو نہیں قرآن کو سچ رمضان کے ایک رات میں فرمایا نہیں کہا اُسے کہ دو راتوں میں فرمایا نہیں کہا اُسے کہ پس تین راتوں میں فرمایا کہ وہ اور اشارہ کیا ساتھ ساتھ اپنے کے پرفرمایا تحقیق کہ واسطے رمضان کے حق ہر اور حرمت اُسکی نہیں مشابہ ہر ساتھ کسی کے مہینوں میں سے اور تھے اصحاب پیغمبر صلعم پڑھتا تھا ہر ایک اُنہیں سے قرآن مہینا بہر میں یا کم میں تحقیق کہ قرآن نہیں پڑھا جاتا ہر شبابی سے لیکن سنجیدگی سے پس جہنم کہ گزرے تو ساتھ ایسی آیت کے کہ جس میں ذکر جنت کا ہو پس ٹھہرا تو اور مانگ تو اللہ عزوجل سے جنت اور جہنم کہ گزرے تو ایسی آیت پر کہ جس میں ذکر نار کا ہو پس ٹھہرا تو اور پناہ مانگ تو ساتھ اس کے دونوں سے۔

مسین بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ کتنے دنوں میں اس قرآن کو پڑھا کروں فرمایا پانچ روز میں

ساتھ میں تھی کہ میرے پاس دو مصحف تھے۔ پہلا مصحف
 زیادہ کھانا چاہیے کہ وہ مصحف ہی مصحف تھا کہ جو بین الناس متداول
 ہوا وہ مصحف تفسیری علی مرتضیٰ کا لکھا ہوا علاحدہ تھا کہ جس کا جو علم
 کے برابر تھا اور جس کا ذکر روایت زراہ میں ہوا اور جلد اول رسالہ
 روشنی میں جیسپر نمبر ۲۰ بحث کی گئی ہے

علی بن مغیرہ سے کہ جو پہلے زیدی تھا رعایت ہے کہ اُس نے امام
 موسیٰ کاظم سے ذکر کیا کہ ماہ رمضان میں اس کا باپ ہر رات ایک
 قرآن ختم کرتا تھا اور دس قرآن غیر رمضان میں۔ اور ہر اپنی بیعت
 بیان کی کہ ایک قرآن واسطے پیغمبر خدا صلعم کے اور ایک واسطے
 علی مرتضیٰ کے اور دیگر قرآن واسطے دیگر ائمہ علیہم السلام کے اور
 آپ (حضرت موسیٰ کاظم) تک ختم کرتا ہوں پس اس عمل کے سبب
 سے میرے واسطے کیا چیز ہو امام نے فرمایا کہ قیامت کے دن
 تو اُنکے ساتھ ہو گا اور جب اُس نے تعجب کیا تو امام نے قین مرتبہ
 فرمایا کہ ہاں

امام جعفر صادق علیہ السلام نے پیغمبر خدا کی یہ حدیث بھی بیان
 فرمائی ہے کہ ”مرد اچھی میری امت کا ساتھ عجبت اپنی کے پڑھتا ہے
 تو وہ پڑھ جائیگا اُسکو فرشتے ساتھ عیت کے“

ایمام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ہم جسے آیات قرآن کی سنتے ہیں نین ہمارے پاس جیسی کہ ہم سنتے ہیں اُنکو دے لہجہ قراءت ہمارا آپ کے لہجہ کے موافق اور الحان عرب کے موافق نین ہی اور اچھی طرح ہم نین پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ بیونچا ہم کو آپ سے پس آیا ہم گنگار ہوتے ہیں و پس فرمایا کہ نین۔ پڑھو تم جیسا کہ سیکھا تم نے اور قریب ہی کہ آئے تمہارے پاس کوئی شخص کہ سکھا تم کو۔

تعدد احادیث ائمہ ایسی بھی ہیں کہ جنہیں خاص سورتوں اور اور خاص آیات قرآنی کے پڑھنے کی تاکید ہے اور بعض حالتوں میں بغیر بعض سورتوں اور آیات کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

محمد بن الوفاق کہتے ہیں کہ میں نے پیش کی امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے کتاب قرآن جس میں کچھ لکھا ہوا سونے کا تھا فرمایا کہ نین خوش آتا ہی بھلویہ کہ لکھا جائے قرآن مگر ساتھ سیاہی کے جیسے کہ لکھا گیا پہلی مرتبہ (عذر ساتھ ثابت میں)۔

یزارہ سے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ۱۲ لے تو مصحف کو بیچ دے ۱۳ کے مہینہ رمضان سے اور کھول تو اسکو اور رکھ تو اسکو اپنے سامنے اور کہ تو اسے میرے خدا تحقیق کہ میں مانگتا ہوں تجھے بوسیلہ کتاب

تیر ہی کے کہتے ہی تو نے اور جو کچھ اس میں ہے اور اس میں ہی اسم اعظم اور
 اکبر تیر اور نشانہ سے نیکوترین تیرے اور وہ کچھ کہ ڈرایا جاتا ہے اور
 اس میں کسی جانی ہے یہ کہ گردانے تو مجھ کو اپنے آئندہ کیسے ہوں دوزخ سے
 اسی ہایت کے بموجب رمضان میں اسی قرآن موجودہ کے وسیلہ
 سے شیعہ وہ عمل کرتے چلے آتے ہیں جو اس حدایت میں مذکور ہوا ہے
 امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک صحابی نے پوچھا کہ قرآن
 اور فرقان آیا وہ دو چیزیں ہیں یا ایک چیز فرمایا کہ قرآن تمام کتاب ہے
 اور فرقان محکم ہے (اسی آیات محکم) کہ واجب ہے عمل ساتھ اس کے
 امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن واحد ہے اور واحد
 پاس سے نازل ہوا ہے اور یہی اختلاف آہی راہوں کی طرف سے
 (اسی اختلاف قراءت جیسا کہ ارشاد آئندہ امام سے ظاہر ہے)
 فضیل بن یسار کہتے ہیں کہ کما میں نے حضرت امام جعفر صادق
 علیہ السلام سے کہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن نازل ہوا سات حرف پڑھ فرمایا
 کہ جو ٹے ہیں وہ لیکن نازل ہوا ہے وہ اوپر حرف واحد کے
 نزدیک واحد سے (کچھ شبہ نہیں ہے کہ واحد سے امر واحد ہی صادر
 ہوتا ہے اور جیسا کہ خدا کے واحد کی طرف سے نازل ہوا ویسے ہی اولی
 واحد کی طرف سے قول واحد بقراءت واحد سنا گیا)

نزل قرآن کا قراءت سات حرفون میں اُسوقت تسلیم ہو سکتا
 ہے کہ جب یہ قبول کیا جاسکے کہ جبرئیل نے اُسکو سات مرتبہ بنوع مختلف
 پیغمبر پر پڑھا اور پیغمبر نے سبعة احرف پر سنایا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ قرآن
 حرف واحد پر نازل ہوا اور طوائف عرب کو رخصت دی گئی کہ وہ اپنے
 اپنے لہجہ اور حرف میں پڑھیں مگر ایسی رخصت کا ثبوت بھی اطمینان کے
 قابل ہونا چاہیے مگر اُسکے ساتھ یہ بھی ماننا پڑیگا کہ کل طوائف کا حرف واحد
 یعنی اُنکی زبان عربی تھی۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے اس جدید زمانہ
 سے اقبل جب کو مسلمانوں نے مانا ہے تقسیم حصص روئے زمین کی ہفت اقلیم
 پر تھی اور وہ ہفت اقلیم والے اپنے اپنے حرف اور لہجہ اور زبان میں اُسکو
 پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اس حالت میں بھی نزول اُسکا حرف واحد عرب
 پر قرار پائیگا گو باعتبار ہفت اقلیم کے قراءت اُسکی سات حرفوں پر
 رد آجھی جائے (یعنی اُس سے پیدا ورام کام سیکھیں)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے باپ سے سنا
 کہ نہ اُنکسی نے بعض قرآن کو ساتھ بعض کے (ایک ایک آیت کا ساتھ
 دوسری آیت سے نہ کیا اور بغیر سماعت و اسخون نے العلم کے اپنی پس
 سے تفسیر کر دی) مگر کافر ہوا۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ سنائیں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو کہ

فراتے تھے مگر کیا صحف دریا میں پس پایا اُسکو درحالیکہ تحقیق جاتا رہا جو کہ
اُس میں تھا مگر یہ آیت -

﴿الَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تَصْدِیْقُ الْاُمُوْدِ﴾ ترجمہ ۲۲ آگاہ ہو کہ طرف خدا کے پہرے

ہیں کام ۲۲

اس ارشاد امام علیہ السلام کا مقصود ظاہر ہے کہ قرآن لوگوں کے دلوں
سے محو ہو گیا کہ اُنہوں نے خلاف قرآن عمل کیا مگر یہ امر باقی رہ گیا کہ تمام
وہ عمل خدا کی طرف پھیرے جاتے ہیں -

اس ٹکڑے آیت سے ما قبل یہ آیت ہے - آیت

﴿وَكُنْ لَّكَ اَوْحِنًا اَلَيْكَ شِرَآءُ	ترجمہ ۲۲ اور اسی طرح وحی کی ہم نے طرف
مِنْ اَمْرٍ نَّامَا كُنْتَ تَقْدِرُ عَلٰی	تیرے رُوح کو حکم اپنے سے تھا کہ
مَا اَلَكْتُابُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَ	جانے تو کیا ہر کتاب اور نہ ایمان
لَكِنْ جَعَلْنَاكَ نُوْرًا تَهْدٰی بِہٖ	لیکن کیا ہم نے اُس (یعنی اُس کتاب) کو
نُشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدٰی	کو روشنی کہ ہدایت کرتے ہیں ہم تم
اِلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ صِرَاطِ اللّٰهِ	اُسکے جسکو چاہتے ہیں ہم بندوں
الَّذِیْ لَمْ یَغْفِرِ السَّمٰوٰتِ وَ	اپنے میں سے اور تحقیق کہ تو ہدایت
مَا فِی الْاَرْضِ ۝﴾	کرتا ہر طرف راہ سید ہی کے راہ خدا

کی ایسا خدا کہ واسطے اُس کے ہر جو کچہ کہ سچ آسمانوں کے اور سچ زمین کے ہر
اس آیت سے ظاہر ہے کہ صراط مستقیم کا پانا چاہیے اور بہ نمبر ۲۵
جلد ثانی بحث مسئلہ امامت میں ہم دیکھا آئے ہیں کہ صراط مستقیم علی
مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت علیہم السلام ہیں یعنی انکا طریقہ اور انکی راہ
بتائی ہوئی اور اسی راہ کو جو لوگ گم کر دین اسی کی نسبت ائمہ کا ارشاد
ہے کہ قرآن دریا میں گر کر بسٹ گیا اور یہ باقی رہ گیا کہ کام خدا کی طرف
سپرتے ہیں۔

ابان بن ہیون قاضی کہتے ہیں کہ میں نے کہا مجھے امام محمد باقر علیہ السلام
نے پڑھ تو کنا میں نے کس چیز سے پڑھوں میں فرمایا سورہ نہم سے پس میں نے
تو ڈھونڈنا چاہا اُسکا فرمایا کہ پڑھ سورہ یونس سے (اس روایت سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اسی قرآن موجودہ کا رادی حافظ تھا اس لیے کہ قرآن سے
اُسوقت موجود ہونیکا اس روایت میں ذکر نہیں ہے درحقیقت آئندہ
روایت سے ظاہر ہوگا کہ رادی نے سورہ یونس کو پڑھنا شروع کر دیا
ہے اور مقصود امام علیہ السلام کا اسی قرآن موجودہ سے پڑھنا نیکاتا
کہ جو اُس کو حفظ تھا پہلے فرمایا کہ پڑھ پڑا سکے پوچھنے پر فرمایا کہ نوین سورہ
پڑھ جب وہ ادل سے نوین کو تلاش کرنے لگا یعنی اپنے دل میں پوچھا
تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ سورہ یونس سے پڑھ اگر سورہ حمد کہ فاتح کہتا

سمجھا جاتا ہے شمارہ کیا جائے تو سورہ بقرہ سے نوین سورہ یونس ہر ایک
 اگر سورہ حمد کو بھی شامل کیا جائے تو سورہ انفال اور سورہ توبہ کو ایک
 شمار کیا گیا ہے اس حالت میں ہی سورہ یونس نوین سورہ ہوتی ہے
 اور غالباً رادی کو بھی تردد تھا کہ کون سے سورہ کو سورہ نم قرار دے
 رادی کہتا ہے پس پڑھا میں نے دای سورہ یونس کے پڑھنے میں ہے
 آیت کو آیت

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ فِي دِينِهِمْ ۖ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ لُحُوفٌ عَلَيْهِمْ
 وَلَا يُوْهَقُونَ ۚ وَلَا يُوْهَقُونَ ۚ وَلَا يُوْهَقُونَ ۚ
 زیادتی ہے نہ ڈبا نہیں گئے مٹنے اُنکے تیرگی اور خواری کو ۛ

فرمایا (امام علیہ السلام نے) کافی ہے تجھ کو پھر کہا کہ فرمایا رسول صلعم نے
 کہ میں ہر آئینہ تعجب کرتا ہوں کیونکہ نشاط میں نہ آجاؤں میں جسوقت
 کہ پڑھوں میں قرآن ۛ

سالم بن سلمہ کہتے ہیں کہ ۛ پڑھا امام جعفر صادق علیہ السلام پر ایک
 شخص نے درحالیہ سنتا تھا میں چند حروف قرآن سے کہ نہیں تھے
 وہ ایسے کہ جبکو پڑھتے ہیں لوگ پس فرمایا امام علیہ السلام نے کہ
 باز رکھ اپنے آپ کو اس قرأت سے اور پڑھ تو جیسا کہ پڑھتے ہیں
 اُسکو لوگ بیان تک کہ قائم ہو قائم ہیں جسوقت کہ قائم ہو گا قائم

پڑھے گا کتاب اللہ ورجل کو اوپر حد اُسکی کے اور نکلے گا صحیفہ ایسا کہ لکھا اُسکو علی علیہ السلام نے اس حصہ روایت میں جو ایسے حرفوں کے پڑھنے کا قرآن سے ذکر ہے کہ جن کو دیگر لوگ نہیں پڑھتے تھے اور جنکے پڑھنے کی امام علیہ السلام نے مانعت فرمائی ہے جب تک کہ کوئی قائم ہونے والا قائم نہ ہو (یعنی خلافت فی الارض اُسکے حق میں قائم نہ ہو جائے کہ بغیر خلافت فی الارض کے قانون شریعت مستقل طور پر جاری نہیں ہو سکتا تھا) کہ جو پڑھے قرآن کو اوپر حد اُسکی کے اور نکلے صحیفہ کو ایسا کہ لکھا اُسکو علی نے۔

اس سے ظاہر ہے کہ علی مرتضیٰ نے جو قرآن بترتیب زول مع تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے لکھا تھا وہ شخص قرآن موجودہ کو اُسی نط سے پڑھتا تھا کہ جو بظاہر خلاف الفاظ قرآن موجودہ کے مع تفسیر کے تھا مگر امام نے بنظر حالت زمانہ کے کہ خلافت مخالف اُس تفسیر کے تھی اُس لفظ سے قرآن کے پڑھنے کو منع فرمایا اور قرآن موجودہ کے پڑھنے کا حکم دیا۔

یہ امر کہ قرآن جسکو قائم پڑھے گا وہ اوپر اپنی حد کے ہوگا اور نکلے گا ایسے صحیفہ کو کہ لکھا اُسکو علی نے "صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن موجودہ صرف متن ہی اور وہ قرآن کہ جسکو قائم پڑھیں گے

اور جسکو علی نے لکھا تھا وہ ترتیب نزول تمام تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے
 کہ وہ تفسیر ہی اذرو سے وحی کے تھی اور جو اُس کے صحیح مقصود اور اصلی
 منشاء کو شامل تھی اور اسی واسطے اُس قرآن کی نسبت امام علیہ السلام
 نے فرمایا ہے کہ وہ قرآن اور اپنی حد کے ہو گا۔ چنانچہ یہ امر بقیہ حصہ بیت
 سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔)

امام علیہ السلام نے فرمایا ہے باہر لائے اُس (صحیف) کو علی
 علیہ السلام طرف لوگوں کے جبکہ فایغ ہوئے اُس سے اور اُس کے
 لکھنے سے (یعنی اُسکی ترتیب اور اُسکی تحریر سے) پس فرمایا اُن لوگو
 سے یہ کتاب اللہ عزوجل کی ہے جیسا کہ نازل کیا اُسکو اللہ نے اور پر
 محو صلعم کے (یعنی جس ترتیب سے اور جس مراد اور معنی سے) تحقیق
 کہ جمع کیا اُسکو میں نے دو لوحوں سے (یعنی ایک لوح سینہ پیغمبر اور ایک
 لوح خود سینہ اُنکا کہ سینہ پیغمبر سے اُنہوں نے اپنے سینہ میں لیا تھا
 یا دو لوح سے یہ مراد ہی ایک لوح سینہ اُنکا کہ جس میں اُنہوں نے
 بموجب ارشاد اور تعلیم پیغمبر کے اپنے سینہ میں حفظ رکھا تھا اور
 ایک وہ لوح کہ جب وقت ارشاد اور تعلیم پیغمبر کے لکھ لیا تھا۔)
 پس کہا اُن لوگوں نے وہ ایسا ہی ہمارے پاس صحیف جمع کیا ہے
 اہمین قرآن نہیں حاجت ہی واسطے ہمارے بچ اُسکے پس فرمایا اگلا

ہو قسم خدا کی کہ نہ دیکھوئے تم اُسکو بعد اس دن اپنے کے کبھی سوا
اسکے نہیں ہر کہ لازم تھا بچہ پر یہ کہ خبردار کر دوں میں تمکو وقت بیع کے
اسکے کے تا آنکہ تم ہو تم اُسکو۔

(یہ حصہ روایت کا بالکل مطابق ہر اُس روایت کی ہے جو کتب اہلسنت
میں بھی منقول ہے اور جس کی وجہ سے بعض اکابر اہلسنت نے
مرتبہ علی مرتضیٰ کے نہ لینے پر افسوس سے کہا ہے کہ اگر وہ لے لیا
جاتا تو نفع کثیر حاصل ہوتا۔ جس سے ظاہر ہے کہ یہ صحف مرتبہ علی مرتضیٰ
ترتیب نزولی مع تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے تھا کہ جو حکم میں قرآن نے
اور نزل قرآن کے نہی اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ اگر اُس ترتیب اور تفسیر
کے بموجب یہ اصل اور متن قرآن موجودہ پڑھا جاتا اور قبول کیا جاتا
تو مذہب اسلام میں کوئی اختلاف اور باہم مسلمانوں کے کسی قسم
کی مخالفت نہ پیدا ہوتی)

سعید بن عبد اللہ عاجی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا امام جعفر
صادق علیہ السلام سے کہ ایک شخص پڑھتا ہے قرآن اور بھول جاتا ہے
پھر پڑھتا ہے پھر بھول جاتا ہے سیر کچھ ہرج ہی فرمایا نہیں۔
حضرت سعید سے ایک روایت ہے کہ جس میں سورۃ الملک کے
پڑھنے کے بہت فضائل بیان ہوئے ہیں اور امام علیہ السلام فرماتے

ہیں اور تحقیق کہ میں ہر آئینہ رکوع کرتا ہوں میں ساتھ اُسکے ساتھ عشاء
آخرہ کے در حالیکہ بیٹھا ہوا ہوتا ہوں میں (مراد وتر نماز تہجد سے ہی) اور
باپ میرے علیہ السلام پڑھتے تھے اُس سورہ کو بیچ دین اپنے کے او
رات اپنی کے۔“

عبداللہ بن فرقہ اور علی بن خنیس کہتے ہیں کہ ہم تھے امام جعفر صادق
علیہ السلام کے پاس اور ہمارے ساتھ ربیعۃ الراے ہی تھا (فقہاء
اہلسنت اور قیاس سے) پس ذکر کیا ہم نے فضل قرآن کا پس فرمایا
امام نے اگر ہوتا ابن مسعود کہ نہ پڑھتا اور نہ قراءت ہماری کے (اس
جگہ بظاہر قراءت سے مراد مع تفسیر فرمودہ پیغمبر کے ہی جیسا کہ بعض
موقوفوہی ابن مسعود نے اپنے قرآن میں ان الفاظ تفسیری کو لکھ لیا تھا
اور مع الفاظ تفسیر کے پڑھتا تھا چنانچہ کتب اہلسنت میں بھی مذکور
ہے جسکا ذکر ہم پہلے لکھ آئے ہیں) پس وہ ہوتا گمراہ پس کہا ربیعۃ
ازروے تعجب کے گمراہ فرمایا ہاں گمراہ پھر فرمایا امام علیہ السلام نے
لیکن ہم پس پڑھتے ہیں اور قراءت باپ اپنے کے (اسی رسول اللہ
کے)۔“

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تحقیق کہ قرآن ایسا کہ کُلُّ
اُسکو جبرئیل علیہ السلام طرف محمد صلعم کے سترہ ہزار آیت ہی (اس امر

اختلاف ہر کہ قرآن میں کس قدر آیتیں ہیں اور اُسکی نسبت ہم غمخیز یا
بحث کریں گے۔)

کتاب احتجاج طبرسی میں منقول ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے
بعد کلام طویل کے طلحہ سے فرمایا پس خبر دو تم مجھ کو اُس چیز سے کہ لکھا عمر
اور عثمانؓ نے قرآن کو پورا یا اُس میں وہ کچھ بھی ہے کہ نہیں ہے قرآن پس کیا
طلحہ نے بلکہ کل وہ قرآن ہے فرمایا اگر تو تم جو کچھ اُس میں ہے نجات پاؤ تم
دوزخ سے اور داخل ہو تم جنت میں پس تحقیق کہ اُس میں حجت ہماری
ہے اور بیان حق ہمارے کا ہے اور فرض طاعت ہماری ہے۔“

اس ارشاد علی مرتضیٰ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے
عہد میں جو قرآن لکھا گیا تھا وہ پورا تھا جسکو حضرت طلحہ نے بھی قبول کیا ہے
اور ہر کسی کو یہ امر بھی قبول ہے کہ پیغمبر اپنے عہد میں قرآن کو لکھواتے جاتے
تھے اور جمع کراتے جاتے تھے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اُسی کے بموجب
حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے قرآن لکھوایا اور وہ قرآن ہی قرآن موجود
ہے جو متادل بین الناس ہے مگر اسی قرآن کے بموجب علی مرتضیٰ علیہ السلام
یہ استدلال فرماتے تھے کہ تحقیق سچ اُسکے حجت ہماری ہے اور بیان حق
ہمارا کیا ہے اور فرض طاعت ہماری ہے۔“

یہ استدلال اُن علیہ السلام کا اسی قرآن سے بوجہ اُس تعلیم اور تفسیر اور معنی اور منشا و تباہ ہوئے پیغمبر خدا کے تھا اور جو اوروں کو وحی کے حکم قرآن میں اور مثل قرآن کے تھا اور جس کو اُن حضرت علیہ السلام نے لکھ لیا تھا۔

منجملہ ان احادیث اور روایات کے جن میں ائمہ الطہر علیہم السلام نے جس قرآن کے فضائل بیان فرمائے ہیں اور ارشاد کیا ہے کہ یاد کرو قرآن کو اور علم حاصل کرو قرآن کا اور اُس کو اپنے اوپر لازم کرو اور اُس کو حفظ کرنے پر نازل کیا ہے اور جس کے حفظ اور عمل کی رغبت دلائی ہے اور اُس کے کوئے اور ختم کرنیکی تاکید کی ہے اور فرمایا ہے کہ کم سے کم ہر ذریعہ پاس آیتیں اُسکی پڑھنی چاہیں اور تلاوت قرآن سے گھروں کو روشن رکھنا ضروری ہے اور سننے والے کو بھی حسنت کا وعدہ فرمایا ہے اور جس صحیفہ کا گھر میں ہونا پسند کیا ہے اور جس قرآن کے حافظ کو حکم دیا ہے کہ قرآن کا دیکھ کر پڑھنا بہتر ہے اور جس قرآن کے ترتیل اور خزن اور بحن عرب سے پڑھنا کا ارشاد کیا ہے اور شتابی سے پڑھنے کو منع فرمایا ہے اور جس قرآن کو کہ امام زین العابدین علیہ السلام پڑھتے تھے اور جو قرآن کہ چودہ جزو کا امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس تھا اور جس قرآن کو مرد عجیبیت رسول کو ساتھ عجیبیت اُسکی کے پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے اور جس

قرآن کی سورتوں اور خاص آیات پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور جس قرآن میں
 طلحہ سے کچھ زینت کی گئی تھی اور ساسنے امام علیہ السلام کے پیش ہوا
 تھا اور جس قرآن کی ماہ رمضان میں ایک عمل خاص کی ہدایت کی گئی
 ہے اور جس کتاب خدا کا فرق بتایا گیا ہے کہ اُسکے کس حصہ سے مراد
 قرآن ہے اور کس حصہ سے مراد فرقان ہے اور جس قرآن کو بتایا گیا ہے کہ
 وہ واحد ہے اور واحد کی طرف سے نازل ہوا ہے اور جس قرآن کے
 نسبت ارشاد کیا ہے کہ گر گیا وہ دریا میں اور جو کچھ شہین تھا شگیا
 مگر صرف مقصود ایک آیت کا اور جس قرآن کی کہ سورۃ یونس امام
 نے پڑھوائی ہے اور جس قرآن کی سورۃ الملک آخر نماز عشا میں خود پڑھا
 پڑھنا امام نے ظاہر فرمایا ہے اور جس قرآن کے پورا ہونے اور زُبد
 نو نیکا جسکو حضرت عمر اور عثمان کا لکھوا یا علی مرتضیٰ علیہ السلام نے
 حضرت طلحہ سے اقبال کر لیا ہے اُن احادیث اور روایات سے ظاہر
 ہے کہ وہ قرآن ہی قرآن موجودہ متداول بین الناس ہے اور ان
 اور روایات سے کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ جو کچھ وہ ارشادات ائمہ
 اہلبیت علیہم السلام نے فرمائے ہیں وہ اسی قرآن موجودہ متداول
 بین الناس کی بابت ہیں اور کسی جگہ اور کسی وقت اس قرآن کو
 متداول بین الناس کی نسبت یہ نہیں فرمایا کہ اُس میں کوئی تحریف

ہر ایک علی مرتضیٰ علیہ السلام نے جس وقت حضرت طلحہ سے گفتگو کی، ہوا
 نے قبول کر لیا ہر کہ اس میں کچھ رائے نہیں جسکا نتیجہ یہ ہر کہ علی
 مرتضیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے تھے کہ اس قرآن میں کہ جو انکے
 متداول بین الناس ہر کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہر۔

ایسی حالت میں قرآن موجودہ کی بابت نہ کوئی شیعہ تحریف کا
 قائل ہو سکتا ہر نہ ائمہ اہلبیت کی احادیث کو رد کر سکتا ہر۔

البتہ سوا ان روایات اور احادیث کے کہ جنکا تعلق قرآن
 موجودہ سے ہر دیگر روایات میں ایک ایسے قرآن کا بھی ذکر ہر کہ
 جسکو علی مرتضیٰ نے ترتیب نزول مع تفسیر فرمودہ پیغمبر کے لکھا
 اور مرتب کیا تھا اور خود انہیں روایتوں سے ظاہر ہوتا ہر کہ وہ قرآن
 ترتیب نزول مع تفسیر فرمودہ پیغمبر کے لکھا ہوا اور مرتب کیا ہوا
 علی مرتضیٰ کا اس قرآن موجودہ متداول بین الناس سے ائمہ علیہم
 السلام کے پاس ملحدہ تھا جیسا کہ ہر ایسی روایت اور حدیث
 کے موقع پر ہم اشارہ کر آئے ہیں۔

وہ تفسیر فرمودہ پیغمبر ہی ضرور بموجب وحی کے تھی جیسا کہ
 سوا قرآن کے دوسری وحی کی خبر پیغمبر خدا سے روایت اہلسنت
 میں ہی ہر اور جسپر مصنف مخاطب نے اپنی تفسیر میں دٹوئی کیا ہر

اس اعتبار سے اُس تفسیر پیغمبری کو کہ جو بموجب وحی کے اور حکم فرما
مین اور مثل قرآن کے تھی۔ قرآن یا مصحف کہنا اور جسکو علی رضی
نے لکھا اور مرتب کیا تھا اس اعتبار سے اُسکو مصحف یا کتاب علی
کہنا ناروانہین ہی اور جسکا وجود اور سراغ کتب اہلسنت میں ہی
موجود ہی جسکو ہم پہلے چند موقع پر دکھا آئے ہیں :-

پس ان دونوں قسم کی روایات کو غلط ملط کرنا یا اصل و متن
قرآن کی نسبت اُنکو بلا تفریق متعلق کرنا اور اُس سے تحریف قرآن
کا نتیجہ نکالنا سخت غلطی اور عملاً مذہب شیعہ کو بدنام کر کے دکھانا
ہو کیونکہ اُسکو کوئی قبول نہیں کر سکتا کہ کسی تفسیر سے جو حامل القرآن
اصل ہو یا کسی شرح سے جو حامل المتن ہو وہ اصلی قرآن اور متن
جو تفسیر اور شرح سے مجرد ہو تحریف سمجھا جائے۔

خود اہلسنت کی روایتوں سے ظاہر ہی کہ قرآن میں الفاظ
دیگر بھی تھے اور صحابہ اُنکو پڑھتے تھے کہ جو قرآن موجودہ میں نہیں
اور جسکو ہم پہلے تفصیل سے دکھا آئے ہیں اور جسکی نسبت مصنف
مخاطب اپنی تفسیر کسیر اعظم صفحہ ۸۸ - پر لکھتے ہیں کہ بعض روایات
سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض الفاظ جو بطور تفسیر کے رسول اللہ صلی
نے ارشاد فرمائے تھے اُنکو بھی صحابہ قرآن میں لکھ لیتے تھے۔

درحقیقت شیعہ عہد پیغمبر سے اور بعد پیغمبر کے بموجب تعلیم علی
رضی اور دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے ہی سمجھتے چلے آتے ہیں
کہ اصل قرآن ہی ہر کہ جو اس وقت تک متداول بین الناس میں
میں کوئی لفظی تحریف نہیں ہوئی لیکن تحریف معنوی ضرور ہوئی۔
ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے جو کسی آیت کے معنی اور مراد
بیان فرمائے ہیں اور وہ بیان انکا بموجب تعلیم پیغمبر کے تھا اُس
بیان کو البتہ مثل قرآن اور حکم قرآن میں مانتے ہیں اور کسی آیت
قرآنی کے معنی اور مراد بیان کرنا ہی تفسیر ہے۔ جیسا کہ ابو مسلم غزالی
کا مذہب خود مصنف مخاطب نے ہی یہی نقل کیا ہے کہ جو الفاظ
اب منسوخ التلاوة سمجھے جاتے ہیں یہ درحقیقت بطور تفسیر
اسد صلعم نے بیان کیے تھے جسکو بعض صحابہ نے غلطی سے قرآن
سمجھ لیا تھا۔

اور خود مصنف مخاطب نے یہ امر قبول کیا ہے کہ بعض الفاظ
جو بطور تفسیر کے رسول اللہ صلعم نے بیان فرمائے تھے انکو بھی صحابہ
قرآن میں لکھ لیتے تھے مگر مصنف مخاطب نے مذہب معتزلی
سے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ ان الفاظ تفسیری کو صحابہ نے
غلطی سے قرآن سمجھ لیا تھا۔

مصنف مخاطب نے یہ پسند کیا ہے کہ صحابہ کی طرف غلط فہمی کی نسبت کرنے سے یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ قرآن ہم تک نہیں کے واسطہ سے پہنچا ہے اور انہیں کے ثبوت کا مدار بالکل انہیں پر ہے۔ لیکن جن صحابہ کا اس موقع پر ذکر ہے ان صحابہ کو کوئی فرقہ بندی اسلام کا معصوم نہیں مانتا۔ ایسی حالت میں اگر ایک معتزلی نے جو غیر معصوم صحابہ کو نسبت غلط فہمی کی دی تو وہ نسبت ٹھکی ہرگز نالپسندیدہ نہیں ہو سکتی۔ البتہ مصنف مخاطب جو صحابہ غیر معصوم کی حالت مثل معصوم کے قرار دینا چاہتے ہیں یہ امر دراصل تعجب انگیز ہے۔ مگر اس قسم کی خرابیاں اُس غلط اصول قرار دینے سے لازم آتی ہیں کہ بعد رسول کے اُنکا جانشین ایسا نہ مانا جائے جو معصوم یا محفوظ عن الخطا ہو اور محض اُسی کے سخن کے پیروی اور اطاعت نہ کی جائے۔

جو بیان کہ پیغمبر نے بطور تفسیر کے فرمایا تھا اور حقیقت اُسکا امتیاز کرنا صحابہ غیر معصوم کو اصل قرآن سے نہایت دشوار تھا یہ معاملہ کیونکر نازک نہ کہ صحابہ غیر معصوم اصل قرآن اور اُسکی تفسیر ایک زبان پیغمبر سے سنتے تھے وہ بغیر تعلیم خاص پیغمبر کے کیونکر سمجھ سکتے تھے کہ بیان پیغمبر میں کس قدر اصل قرآن ہے اور کس قدر

تفسیر اور یہی وجہ تھی کہ ہندو مت حمز میان پیغمبر کی نسبت متردد رہے کہ وہ اصل قرآن ہی یا تفسیر۔

لیکن شیعہ امامیہ اثنا عشریہ بموجب تعلیم ائمہ اہلبیت کے کہ جو معصوم یا محفوظ عن الخطائے قدیم سے ہر زمانہ میں یہ سمجھتے چلے آتے ہیں کہ اصل قرآن تو وہ تھا جو پیغمبر نے ابتداء لکھا دیا اور جب کسی آیت کی متعلق کسی صحابہ کے دریافت پر پیغمبر نے الفاظ نا ادا فرمائے یا ہر ایک آیت کی مراد اور منشا علی مرتضیٰ کو تعلیم کیا اور علی مرتضیٰ نے اُسکو لکھ لیا وہ تفسیر تھی اور وہی تفسیر دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے پاس برابر چلی آئی اور اسی تعلیم اور تفسیر کے بموجب علی مرتضیٰ سے لیکر حضرت صاحب العصر تک جس آیت کے جو معنی اور مراد جس امام نے فرمائے وہ مثل قرآن اور حکم قرآن میں تھا۔

یہ اعتقاد شیعوں کا ایسا ہے کہ جس پر نہ مثل مذہب معتزلی کے کہ صحابہ کو نسبت غلط فہمی کی دی جانی نا پسندیدہ ہے۔ اور نہ مثل مذہب معتزلت مخالف طبع کے کہ مذہب معتزلی سے جو عجوبات لازم غلط فہمی غائد ہونیکے صحابہ پر اختلاف کیا جاتا ہے یہ اقراض وارد ہو سکتا ہے کہ وہ مذہب خلاف واقع اور مخالف حقیقت ہے۔

درحقیقت یہی صحیح اعتقاد مذہب شیعہ کا شیون کو قدیم سے
برائے نگینہ کرتا تھا کہ انہیں الفاظ تفسیری بغیر سے کہ جو روایات کتب
الہیات اور اہل تشیع میں منقول ہوئے ہیں امامت علی مرتضیٰ اور
ائمہ اہلبیت کی بقا بلکہ ان سے ہم عصر خلفائے مخالف کے ثابت اور
قائم کرین چونکہ وہ الفاظ تفسیری بغیر کے مثل قرآن اور حکم قرآن میں
تھے۔ اور آیات قرآنی کے معنی ظاہر کر نوا لے تھے بعینہ اسی شان
سے کہ جیسے وہ الفاظ بغیر تفسیر جزو قرآن ہوتے اور جبکہ نہ قبول
کرنے سے معنی آیات قرآن میں تحریف لازم آتی ہر اس لیے عموماً وقت
استدلال کے ان الفاظ تفسیری کو قرآن بولا گیا۔

ثقة الاسلام محمد بن یعقوب کلینی نے وہ روایات جن میں معنی
آیات قرآنی کے بطور تفسیر بیان ہوئے تھے اپنی کتاب کافی میں
جمع کیں کہ جسے بیشک تحریف بالمعنی قرآن کی ثابت ہونی ہر اُس پر
یہ کہا گیا کہ شیخ علیہ الرحمۃ معتقد تحریف اور نقصان قرآن کے ہیں
اور یہ محبت پیش کی گئی کہ وہ ان روایات کی بابت معترض نہیں ہو
ظاہر ہو کہ شیخ باعتبار الفاظ زائد تفسیری کے قائل تحریف بمعنی
قرآن کے تھے اور خود ان روایات سے صریح ظاہر ہوتا تھا کہ ان الفاظ
زائد سے معنی اور منشاء آیت کا بیان کیا گیا ہر اس لیے ان کو کسی کتبہ

کی کسی روایت کی نسبت ضرورت نہیں تھی اگر انکو یہ شبہہ ہوتا کہ ان الفاظ زائد سے تحریف لفظی قرآن کا شبہہ پیدا ہوتا ہے تب انکو موقع کسی قدح کا ہوتا اور جبکہ انہوں نے تمام وہ احادیث ائمہ جمع کی ہیں جسے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن موجودہ میں کوئی تحریف لفظی نہیں ہے تو شیخ کی نسبت کسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تحریف لفظی کے قائل تھے اور جیسے کہ شیخ نے کتاب کافی میں ان کا کیا کو جمع کیا ہے ہی علی بن ابراہیم قمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں ان روایات کو ملو کیا۔ اور شیخ احمد بن ابیطالب طبرسی رحمۃ اللہ علیہ کتاب احتجاج میں اسی منوال پر چلے۔

مگر اہل خلاف نے بمقابلہ اثبات امامت علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے بجواب شیعوں کے یہ کہنا شروع کیا کہ ”شیعہ تحریف لفظی قرآن کے قائل ہیں“

لیکن درحقیقت مذہب علماء شیعہ کا ایسا نہیں تھا کہ جیسا انکی نسبت گمان کیا گیا اور کہا گیا کہ وہ تحریف لفظی اور زیادتی اور نقصان قرآن کے قائل ہیں حالانکہ انکا صحیح مذہب اس کے خلاف تھا اور وہ اصل قرآن میں لفظی تغیر یا نقصان کے قائل نہیں تھے۔

البتہ لفظ الفاظ تفسیری آیات کے جو کتب فریقین میں مندرج ہیں
اور باوصف اسکے جو لوگ کہ ان معنی کو قبول نہیں کرتے انکی نسبت تحریر
بالمعنی قرآن کے قائل تھے۔

اس لیے سید شریف مرتضیٰ علم الہدی نے پورے طہ پرچہ مسائل
طر بلستان کے اصلی مذہب شیعہ کا بتا دیا اور اسی صحیح مذہب کو ان کے
جنا دیا۔ اور شیخ صدوق محمد بن علی بن بابوی قمی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی اپنے
رسالہ اعتقاد میں ظاہر کر دیا کہ اعتقاد ہمارا قرآن کی نسبت یہ ہے کہ جو
کچھ در بیان دو دفتیوں کے لوگوں کے ہاتھ میں ہر اُس سے کچھ
زیادہ نہیں ہے اور جو کوئی ہماری طرف یہ منسوب کرے کہ ہم اسکے
زیادہ ہونے کے قائل ہیں پس وہ جو ٹا ہے۔ اور یہ اشارہ ان کا
ان اہل خلاف کی طرف ہے کہ جو شیعوں کی نسبت تمہارا اعتقاد
نقصان قرآن کی کرتے تھے۔

اور شیخ الطائفة محمد بن حسن طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب
بیان میں صاف لکھ دیا کہ مذہب صحیح ہمارا یہی ہے کہ قرآن میں زیادتی
اور نقصان نہیں ہے۔

ان علماء کے اس اعتقاد کے ظاہر کرتے سے کہ قرآن میں کچھ
کم و بیش نہیں ہے مراد انکی نہ قائل ہونے تحریر نفی قرآن سے صاف

وصحیح واضح ہے۔

اور اگر خلاف حقیقت اور واقعہ کے بھی کسی عالم شیعہ کا بظہر منظر
مسنی اعاذیث کے یہ اجتہاد سمجھ ہی لیا جائے کہ وہ قرآن میں بغی
تخریف کا قائل ہو اور کسی عالم شیعہ کی نسبت یہ قبول بھی کیا
جائے کہ اُسے خلاف اُسکے اجتہاد کیا تو اس سے کوئی اعتراض
مذہب شیعہ پر وارد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ مذہب شیعہ میں یہ
قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جب کوئی منفی مرجائے تو اُس کا فتویٰ بھی
مرجاتا ہے اور مجتہد کی کا قول ہمیشہ قابل پابندی کے ہے۔

مصنف مخاطب نے جیسا کہ ایک غلط اعتراض خلاف
حقیقت اور خلاف واقعہ تخریف قرآن کا مذہب شیعہ کی نسبت
ظاہر کیا ہے ویسے ہی انہوں نے سید شریف مرتضیٰ علم المدی اور
شیخ صدوق ابن بابویہ قمی علیہ الرحمہ کو متاخرین شیعہ میں قرار دیا ہے
اور جنکی نسبت کہا ہے کہ وہ موجود مسئلہ عدم تخریف قرآن کے میں
حالانکہ ۱۲۸۰ھ ہجری تک زمانہ موجودگی ائمہ اثنا عشر علیہم السلام
کا رہا کہ جس میں غیبت کبریٰ امام دوازدهم علیہ السلام کی واقع ہوئی
ہے۔ اور سید شریف مرتضیٰ علم المدی ۱۲۸۰ھ ہجری میں پیدا ہوئے
اور ۱۳۸۰ھ ہجری میں انہوں نے وفات پائی اور وہ حضرت امام

موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہ جو ساتویں امام تھے چٹی پشت میں تھے
 اور شیخ صدوق رئیس المحدثین ابن بابوی قمی سید شریف مرتضیٰ سے
 بھی مقدم تھے وہ حضرت صاحب الامر کی دعا سے پیدا ہوئے تھے
 اور سال ۳۵۸ھ میں جوان تھے جبکہ بغداد میں آئے تھے اور ۳۸۱ھ
 میں انہوں نے بلدہ رسی میں وفات پائی (فہرست طوسی) اور شیخ
 مفید علیہ الرحمہ جو استاد سید شریف مرتضیٰ کے تھے وہ شاگرد ابن
 بابوی قمی کے تھے جس سے بخوبی اندازہ تقدم ابن بابویہ قمی کا ہو سکتا
 ہے۔

ان دونوں کی نسبت یہ کہنا مصنف مخاطب کا کہ وہ فرقہ
 جدید متاخرین شیعہ میں سے تھے۔ ایک امر عجیب ہی بنظر اس حقیقت
 اور واقعیت کے۔ مصنف مخاطب کو اس کہنے سے کہ متقدمین
 شیعہ کا تحریف قرآن پر اجماع تھا اور متاخرین شیعہ نے اہلسنت
 یہ مسئلہ سیکھا کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی اور سید شریف مرتضیٰ
 اور شیخ صدوق ابن بابویہ علیہ الرحمہ متاخرین شیعہ میں سے تھے
 اور فرقہ جدیدہ نے ائمہ کے اقوال کو رد کر دیا اور اپنے متقدمین کو کہا
 مسئلہ میں گمراہ بتایا کہ شرم کرنی لازم تھی کیونکہ یہ تمام بیانات غلط
 اور خلاف واقعہ ہیں۔ نہ کہہ متقدمین شیعہ نے تحریف لفظی قرآن

اجماع اور اتفاق کیا اور نہ کبھی متاخرین شیعہ کا کوئی نیا فرقہ خلافت سے پیدا ہوا البتہ باعتبار الفاظ تفسیری کے اہل خلافت کی نسبت قیاد رکھتے چلے آتے ہیں کہ وہ تحریف بالمعنی قرآن کو کہتے ہیں کبھی انہوں نے ائمہ کے اقوال کو ایسی حیثیت سے رد نہیں کیا جیسا کہ مصنف نے ظاہر کیا ہے۔

بلکہ ایسی حیثیت سے قبول کیا ہے کہ وہ تفسیر ان آیات کی ہیں جن آیات کے جو معنی ائمہ نے فرمائے ہیں کبھی اپنے متقدمین کو انہوں نے اس مسئلہ میں گمراہ نہیں بتایا بلکہ ان اہل خلافت کو جو شیعوں پر تہمت قرآن کی رکھیں (اس موقع پر ملاحظہ فرمائیے لفظی قرآن سے ہے) البتہ جھوٹا بتا سکتے تھے۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد مصنف مخاطب علیہ السلام کہ عالم شیعہ جنکو مصنف نے کاذب کہا ہے اُس میں کون داخل ہوا ہے مصنف مخاطب یا شیعہ۔

شیعہ اس مسئلہ میں ہرگز مذہب نہیں ہیں جیسا کہ مصنف مخاطب ظاہر کرتے ہیں۔ مطاعن صحابہ کی بحث میں وہی ایک قول جو یہ سے اختیار کیے ہوئے ہیں اور اختیار کرتے ہیں کہ وہ الفاظ تفسیری کو قرآن سے خارج کرنے کی وجہ سے تحریف بالمعنی ہو

اور حضرت عثمان پر اس نوع سے اعراض نہیں کرتے ہیں کہ انہوں نے
 سئلہ امامت قرآن سے نکال دیا بلکہ ان کے اعراض کی نوعیت یہ ہے
 کہ ان الفاظ تفسیری پیغمبر کو جسے آیات قرآن کے معنی ایسے ظاہر
 ہوتے تھے کہ امامت علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت علیہم السلام
 کے حق میں منصوص ہے اور جس کا کچھ حصہ اپنے اپنے قرآن میں بعض
 صحابہ غیر اہلبیت نے لکھ لیا تھا اور جس کو وہ مثل قرآن اور حکم قرآن
 میں مانتے تھے اُس کو ترک کیا اور شامل قرآن نہ کیا یا جو قرآن تشریف
 نزول مع کامل تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے عہد خلافت اول میں علی رضی اللہ عنہ
 لے پیش کیا تھا اور اُس کو نہ لیا خلافت اول میں اُس کے نہ لینے سے اور
 خلافت سوم میں دیگر صحابہ کے قرآن میں جو الفاظ تفسیری پیغمبر
 کے تھے اُس کے ترک کرنے اور شامل نہ کرنے سے قطعی تحریر ہوئی
 قرآن کی لازم آئی۔

لا مجلس علیہ الرحمہ نے حق البیقین میں مطاعن حضرت عثمان
 میں جو یہ لکھا ہے جس کو مصنف مخاطب سنا نقل کرتے ہیں ”طعن ہفتم
 آنکہ جمع کرد مردم را بر قراءت زید بن ثابت و بس برائے آنکہ عثمانی
 بود و دشمن امیر المومنین و چون خواست مناقب اہلبیت و شایب
 اعدائے ایشان را بینا زد او را برائے جمع قرآن اختیار کرد“

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہر مسئلہ امامت قرآن سے نکال
ڈالا گیا یا کوئی عالم شیعہ تحریف لفظی قرآن کا قائل ہے بلکہ اسی عبارت
سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نے یہ چاہا کہ مناقب اہل بیت
اور مشالب ان کے اعدا کے نکال ڈالے جائیں۔

مناقب اہل بیت اور مشالب ان کے اعدا کے انہیں الفاظ تفسیری
پیغمبر سے ظاہر ہوتے تھے کہ جنکو صحابہ نے قرآن میں لکھ لیا تھا
جو شل قرآن اور حکم قرآن میں تھے؟۔

چنانچہ ملا مجلسی نے اپنے اسی قول مجمل کی کہ جو بطور ہیڈنگ کے
ہر تفصیل اسی فصل میں بخوبی کتب اہلسنت سے دکھائی ہے کہ صحابہ
عہد پیغمبر میں کیونکر اور کس طرح سے اور ایک دوسرے سے مختلف الفاظ
زائد پڑھتے تھے اور جسکو پیغمبر فرماتے تھے کہ ایسی ہی ہو اور زیادہ
عظمت قرارت قرآن ابن مسعود کی ان صحابہ میں تھی اور اس میں
بہت کچھ مناقب اہل بیت اور مشالب ان کے اعدا کے لکھے ہوئے
تھے جسکا نشان اخبار و احادیث مذہب شیعہ میں بھی ہے اسی کو
زید بن ثابت نے نکال ڈالا اور اسی تفسیر پیغمبری کے نکل جانیکا
الزام بنزله تحریف لفظی قرآن کے ہے کہ جن لفظوں تفسیری پیغمبر کے

ترک اور شامل نہ کرنے سے تحریف معنوی قرآن کی لازم آئی۔
 شیعہ ہمیشہ سے اسی امر کے قائل چلے آتے ہیں کہ قرآن موجو
 میں تحریف لفظی نہیں ہوئی البتہ از روے الفاظ تفسیری پیغمبر کے
 اور اُنکے نہ شامل رہنے اور ترک کی وجہ سے تحریف معنوی کے قائل
 ہیں۔ اور جسکا ہر ایک مسلمان کو قائل ہونا چاہیے جس آیت کی
 جو جو تفسیر پیغمبری ثابت ہو۔

شیعوں پر جب تحریف لفظی قرآن کی تمت کی گئی خواہ غلط فہمی
 سے خواہ عمدتاً تب انہی طرف سے کہا گیا کہ قرآن میں لفظی تحریف نہیں
 ہوئی ہر۔ یہ امر نہیں ہی جلیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ ”
 جب تحریف قرآن کے قول پر سب اعتبار سی قرآن کا اعتراض پیش
 ہوتا ہی تو کہتے ہیں کہ ہرگز تحریف نہیں ہوئی“

اُنکا برا بر یہ اعتقاد رہا ہر کہ قرآن میں تحریف لفظی نہیں ہوئی
 اور اُنہوں نے اُسی وقت یہی جواب دیا ہی جب اُن پر تمت تحریف
 قرآن کی کی گئی ہر۔ سید شریف مرتضیٰ سے پہلے کہ وہ بھی متقین
 علمائے شیعہ اور قریب نسل امام موسیٰ کاظم علیہ السلام میں سے تھے
 کبھی کسی نے شیعوں پر ایسی تمت نہیں کی تھی اس لیے وہ اول جواب
 دینے والے اُس اتمام کے ہیں۔

اور اسی وجہ سے شیعہ اُنکے جواب کو اور اُنکے قبل اور مابعد کے علما کے عقائد و اجتہادات تحریری کو اس وقت تک برابر دیکھنا چاہئے ہیں کہ تحریف لفظی قرآن کا کوئی قائل نہیں ہے۔ سید شریف مرتضیٰ سے قبل یا بعد اگر کوئی عالم شیعہ تحریف لفظی قرآن کا قائل ہوا ہوتا تو ممکن نہیں تھا کہ مصنف مخاطب اُسکے نام کے ظاہر کرنے سے دریغ کرتے تعجب ہے کہ مصنف نے کسی موقع پر یہ نہیں دیکھا یا کہ کون شیعہ عالم قائل لفظی تحریف قرآن کا تھا اُنکو اس امر سے شرم کرنا چاہیے تھا کہ جو غلط تہمت تحریف قرآن کی خود اہل خلاف نے شیعوں کی نسبت کی ہے اُسکو یہ کہا جائے کہ شیعہ اُسکے قائل ہوئے ہیں۔ شیعوں سے اس بات کے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ابن بابویہ وغیرہ کو ائمہ کے قول کے رد کر نیچا کیا اختیار تھا؟ اس لیے کہ کسی عالم شیعہ نے ائمہ کے قول کو اُس حیثیت سے کبھی رد نہیں کیا ہے جس حیثیت سے کہ مصنف مخاطب بیان کرتے ہیں بلکہ علماء شیعہ نے قول ائمہ کو تفسیر قرار دیا ہے۔

اور اگر کسی زمانہ کا کوئی عالم کسی روایت قول کسی امام علیہ السلام کو اپنے اجتہاد میں ضعیف یا غیر صحیح قرار دیکر منظور نہ کرے تو کیا یہ اس سے زیادہ عجیب تر ہو گا کہ علماء اہل سنت نے اپنے یہاں

کتاب کی لاکھون احادیث کو وضعی قرار دیا اور سیکڑوں احادیث پیغمبر کو ابتداء خلافت میں جلادیا۔ اور جن احادیث تفسیری پیغمبر کی صحت کو قبول کرتے ہیں ان پر نہ عمل کرتے ہیں نہ ان کے بوجبا اعتقاد قائم کرتے ہیں۔

اگر کوئی شیعہ عالم کسی زمانہ میں کسی مصلحت اور کسی وجہ سے منظر تنقید صحت روایات کے کسی روایت کو قطعی الصدور نہ قرار دے تو وہ فرقہ شیعہ سے خارج نہیں ہو سکتا اور نہ شیعوں کا یہ دعوے ٹوٹ سکتا ہے کہ ان کا تمام مذہب اللہ سے ماخوذ ہے۔

ہم اقوال ائمہ سے ابھی ثابت کر آئے ہیں کہ قرآن موجودہ ہیں کوئی کمی نہیں ہوئی وہ سب اسی قدر ہیں جو مسلمانوں کے پاس ہے اور ائمہ کی کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ تحریف لفظی موجود قرآن میں ہے اور نہ اہلسنت ایسا ثابت کر سکتے ہیں۔ ہاں اقوال ائمہ ایسے بیشک موجود ہیں۔ اور جنکی تصدیق خود کتب اہلسنت سے ہوتی ہے کہ تحریف بالعمی قرآن کی غیر شیعہ کہتے ہیں۔

واقعیت حضرات اہلسنت سے یہ بات قابل استفسار کے ہے کہ جن الفاظ تفسیری پیغمبر کی صحت کے تم قائل ہو اس کے بوجب عمل کیوں نہیں کرتے اور اس کے بوجب اپنا اعتقاد کیوں نہیں قرار دیتے؟

تاکہ جو اختلاف اعتقادی مسئلہ امامت اور خلافت میں درمیان شیعہ اور سنی کے ہر مع دیگر مسائل کے وہ رفع ہو جائے۔ اور جو عقائد کہ شیعہ بنکا ہو وہی اعتقاد اہلسنت کو قبول کرنا لازم آئے اگر نہیں تفاسیر آیات کے بموجب جو تھوڑی سی ہم نے شروع بحث میں دکھائی ہیں اور جو بغیر سے کتب اہلسنت میں منقول ہیں اور وہ تفاسیر قرآن میں لکھی ہوئی نہیں۔ اہلسنت اعتقاد اپنا قائم کریں۔

مصنف مخاطب اب بیان سے یہ بھی ارادہ کرتے ہیں کہ شیعوں کے بیان کی روایات سے یہ ثابت کریں کہ قرآن موجودہ میں کمی ہوئی ہے لیکن جن روایات کو مصنف مخاطب نے منتخب کیا ہے ان روایات کو ہم بھی بشمول ان روایات کے دکھا آئے ہیں کہ جو متعلق قرآن کے ہم نے اوپر نقل کی ہیں اور جن سے یہ بتا دیا ہے کہ ائمہ علیہم السلام کے پاس ایک قرآن ہی موجودہ قرآن تھا کہ جواب تک لوگوں کے پاس ہے اور دوسرا وہ قرآن تفسیری تھا جس میں بغیر کی بتائی ہوئی تفسیر علی مرتضیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھ لی تھی۔ مصنف اول اصول کافی سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد پیش کرتے ہیں کہ جو جبریل نے جو قرآن نازل کیا تھا اس میں

سترہ ہزار آیتیں تھیں اور اس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ”بہت
قرآن سابق ہو گیا کہ قرآن موجودہ میں پوری سات ہزار آیتیں ہی
نہیں“

مصنف نے ترجمہ ارشاد امام علیہ السلام کا غلط کیا ہے اصل
ارشاد امام علیہ السلام کا یہ ہے۔

عَنْ قَالَ اِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِیْ جَاءَ
بِرَجَبِ بْنِ عَلِیٍّ السَّلَامِ اِلٰی مُحَمَّدٍ
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سَبْعَ عَشَرَ
اَلْفَ اٰیۃً

ترجمہ صحیح ”تحقیق کہ قرآن ایسا کہ
لائے اسکو جبریل طرف محمد صلی علیہ
سترہ ہزار آیت ہے“

اس ارشاد امام علیہ السلام سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ قرآن
موجودہ متداول بین الناس میں کچھ کمی ہے البتہ اس ارشاد امام سے
قرآن موجودہ کی نسبت شمار آیات میں اختلاف پیدا ہو گا اس تعداد
سے جو کوئی کہ تعداد آیات کا شمار خلافت اسکے بیان کر گیا۔ اگر امام
علیہ السلام یہ فرماتے کہ جبریل نے جو قرآن نازل کیا تھا اس میں
سترہ ہزار آیتیں تھیں اور قرآن موجودہ بین الناس میں منجملہ ان کے
اس تعداد سے کم ہیں تو البتہ یہ مانا جاسکتا تھا کہ قرآن موجودہ کم
ہے قرآن منزہ سے۔ لیکن امام علیہ السلام نے جو شمار عدد آیات

قرآن کا فرمایا ہر اُسکے مقابل میں مصنف جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن موجودہ میں پوری سات ہزار بی آئین نہیں ”انگو بیان کرنا چاہیے تاکہ یہ تعداد شمار آیات کی کس کی مقرر کی ہوئی ہے۔ اگر یہ تعداد آیات کسی امام اہلبیت کے قول میں ہوتی یا کسی عالم شیعہ کی اس پر ایسی تحقیق ہوتی تو بھی کچھ مضائقہ نہ تھا کہ ایسا اعتراض کیا جاتا۔ مصنف مخاطب نے قرآن موجودہ میں تعداد آیتوں کی یوں ظاہر کی ہے کہ ”پوری سات ہزار بی نہیں ہیں“ جس سے ایک ٹھیک تعداد معلوم نہیں ہو سکتی اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سات ہزار میں کس قدر کم ہیں اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ تعداد آیتوں میں خود علمائے اہلسنت کے باہم اختلاف ہے کوئی کسی قدر قبول کرتا ہے کوئی کسی قدر اور صرف تعداد آیات ہی میں اختلاف نہیں ہے بلکہ مجرد تعداد آیات کے علم اور غیر علم میں بھی اختلاف ہے۔ ہذی نے اپنی کتاب کامل میں کہا ہے ”تحقیق کہ قوم جاہل رہی عدد سے اور اُس میں کچھ فائدہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ زعفرانی نے کہا کہ عدد معلوم نہیں ہے“

اور وجہ اختلاف تعداد آیات کی یہ ہے کہ تعداد آیات معین نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ حد آیت کی معلوم نہ ہو اور حد آیت کی مقرر

کونے میں اختلاف واقع ہوا ہے کسی نے یہ کہا ہے کہ قرآن مجنون سے مرکب ہے اور جملہ آیت ہے۔ مجنون میں مبتدا مقدر ہو سکتا ہے اور کوئی اس موقع پر مبتدا مقدر مانے اور کوئی نہ مانے (اور جملہ کے اندر جملہ ہوتا ہے آیا جملہ مع اپنے مجنون اندرونی کے ایک جملہ سمجھا جائیگا یا جملہ اندر علیحدہ)۔

کسی نے یہ کہا ہے کہ دو آیت اندک اندک ہے قرآن سے جدا کی گئی ہے اپنے ماقبل اور مابعد سے (اس میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے کہ ایک عبارت سے اُسکے ماقبل کو کوئی جدا مانے اور کوئی جدا نہ مانے)

بعض نے کہا ہے کہ وہ ایک ہی ہے معدودات سے سورتوں میں نام رکھا گیا ساتھ اُسکے اس واسطے کہ علامت ہے اور پر صدق آئے والے کے اور اور پر عجز اُسکے کہ جس سے تحدی کی جائے (اس تعریف سے انسان کا کام نہیں ہے کہ ابتدا اور انتہا کسی آیت کی مقرر کر سکے) کسی نے یہ کہا ہے کہ میں سوا مذمتان کے اور کسی کلمہ واحد کو آیت نہیں جانتا کسی نے غیر اُسکے کہا ہے کہ مثل والنجم واضمحیل اھم کے شمار آیت میں ہیں۔ بعض نے کہا جہاں شارع نے ٹھہرا دیا ہو وہ آیت ہے۔ (لیکن ثبوت توقف شارع کا کہ کمان کمان شارع

نے توقف کیا تھا مکان سے باہر ہی۔)

بعضوں نے فقط یس اور حروف مقطعات کو آیت مانا ہے اور بعض نے کسی کسی کو نہیں مانا۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ ”تمام آیتیں قرآن کی چہ ہزار چہ سولہ ہیں“

دانی نے کہا ہے کہ ”اجماع کیا گیا اور اس کے کہ عدد آیات قرآن کا چہ ہزار آیت ہی بہر اختلاف کیا گیا۔ بعضوں نے اُس پر کچھ زیادہ نہ کیا۔ بعض نے کہا کہ دو سو اور چار آیت زیادہ ہے۔ بعض نے کہا کہ چودہ۔ کسی نے کہا اونیس کسی نے کہا پچیس۔ کسی نے کہا چتیس۔ ابن عباس سے دوسری روایت ہے کہ ”درجہ جنت کے بقدر آیات قرآن کے ہیں پس وہ چہ ہزار دو سو سولہ آیت ہیں“ اور بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ ”شمار درجات جنت شمار آیات قرآن کا ہے جو کوئی داخل ہوا جنت میں اہل قرآن سے پس نہیں ہے اور پُرہا کے درجہ“ (اگر ہر مسلمان جو اہل قرآن سے ہے داخل جنت ہوگا تو آیات قرآن لا تعداد مانی جائیں گی اور صفت مخاطب امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد سے جو نتیجہ کسی قرآن کا نکالتے ہیں اُن کو ارشاد حضرت عائشہ کے بموجب یہ نتیجہ نکالنا پڑے گا کہ قرآن ہنزلہ قطرہ کے ہے

اور کمی بمنزلہ دریائے

شمار آیات میں اختلاف ایک ایسا بھاری اختلاف ہے کہ
اہل مدینہ اور مکہ اور شام اور بصرہ اور کوفہ ایک دوسرے سے مختلف
ہیں۔ اور اہل مدینہ میں بھی دو گنتیاں ہیں۔ ایک ابو جعفر زبیر
بن عقیق کی اور دوسری اسمعیل انصاری کی۔ پھر ہر سورۃ میں کتنی
کتنی آیتیں ہیں اور اسکی کم و بیشی کا ہی بیان ہوا ہے (دیکھو اتفاقاً)
نوحشہری نے تفصیل آیات قرآنی کی لکھی ہے کہ کس کس قدر آیات
کس کس بارہ میں اور کس کس قسم کی ہیں جس کی میزان چھ ہزار چھ
چھیا سٹھ ہوتی ہے؟

بنظران اختلافات کے کیا مصنف مخاطب یہ قبول کر سکتے ہیں
کہ بمقابلہ تعداد کمی اور بیشی آیات مقبولہ ایک دوسرے کے قرآن
موجودہ کم ہے۔

اصل امر یہ ہے کہ مصنف مخاطب نے جو تعداد آیات قرآنی
کم سات ہزار سے بیان کی ہے باوجود مختلف تعداد میں علمائے اہلسنت
نے ظاہر کی ہیں ان میں سے کوئی تعداد رضی نہیں ہے قرآن جب
نازل ہوا تو عرب اسکو اپنے لہجہ میں پڑھتے تھے کسی لفظ پر
دیتے تھے اور کسی لفظ پر وقفہ کرتے تھے قرآن جب لکھا گیا تو اس میں نہ

کوئی علامت آیت کی تھی نہ وقفہ کی۔ حضرت عثمان کے بہت زمانہ کے بعد مسلمان عالموں نے پہلے پانچ نشانیاں وقفہ کی جداگانہ مقصود قرار دیں جن میں ایک نشان آیت کا ہے اور ویسے ہی نشان پر حرف "لا" بھی لکھا ہے جسکو یہ سمجھا ہے کہ بیان صورت توقف کی ہنر آیت کے ہے لیکن آیت ختم نہیں ہے جسکو آیت "لا" کہتے ہیں۔

پھر ان کے بعد دوسرے متاخرین علمائے سات نشانیاں وقفہ کی اور اختلاف وقفہ کی اور قرار دیں۔ نسخہ جات قرآن جو اب لوگوں کے ہاتھ میں ہیں ان میں یہ تمام نشانیاں موجود ہیں۔ نشان آیت کے سوائے آیت "لا" اور دیگر نشانات وقفہ کے اعتبار سے اگر آیات قرآنی کی تعداد شمار کی جائے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے بعض علمائے اہلسنت نے ہر محل توقیفی کو حد آیت سمجھا ہے۔

کسی معترض کو جو ارشاد امام جعفر صادق علیہ السلام سے نتیجہ کی قرآن کا ٹکالنے والا ہو پہلے وہ ہر مقام توقیفی کو آیت سمجھ کر آیات کا کرے اور دیکھے کہ تعداد آیات کس قدر ہوتی ہے اور تعداد آیات جو امام علیہ السلام نے فرمائی ہے اس سے مقابلہ کرے اور پھر سوچے کہ کمی قرآن کا کچھ استدلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ لیکن شیعہ ہر آیت

کی ابتدا اور انتہا اس قرآن موجودہ میں قرار نہیں دے سکتے اس لیے کہ ارشاد امام علیہ السلام میں کوئی ایسی تفصیل نہیں ہے لیکن اعتقاد محکم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن موجودہ میں سترہ ہزار آیتیں ہیں۔

مگر شیعہ ایک اور ترکیب سے مصنف مخاطب کا اطمینان کر سکتے ہیں کہ جس سے سترہ ہزار آیات قرآن موجودہ کی قرار پاسکے۔

اتقان میں کلمات قرآن کی تعداد مختلف بیان ہوئی ہے مگر جو اولیٰ تعداد بیان کی گئی ہے وہ سترہ ہزار نو سو چونتیس کلمے ہیں بنجملہ ان کلموں کے چار چار کلموں اور کسی جگہ پانچ کلموں سے ایسا کلام بن سکتا ہے کہ جو کما مفہوم تام ہو سکے اور اس حالت میں اُس عبارت نامہ کو ایک آیت سمجھا جاسیے کہ جس سے اسی قرآن موجودہ میں سترہ ہزار آیتیں پوری ہو جائیں گی۔

بسبب اختلاف مفہوم کے تعداد آیات میں اختلاف چند قابلِ تعجب کے نہیں تھا مگر تعداد کلمات میں اختلاف کا ہونا قابلِ سخت تعجب کے ہے اگرچہ حد کلمہ کے مفہوم سے تعداد کلمہ میں بھی اختلاف ہو سکتا ہے مگر قرآن کے متعلق اُس کا رفع کرنا دشوار تھا۔ جب تعداد کلمات کا اختلاف قرآن کے متعلق ایک فرقہ مذہب اسلام میں موجود ہے تو مذہب اسلام میں مختلف فرقوں کا ہو جانا ایک ہی قرآن کی نسبت

کچھ جابے تعجب نہیں ہر اور یہ امر اس قول اور اعتقاد کی خرابی کو ظاہر کرتا ہے جس کی رو سے کہا گیا اور مانا جاتا ہے کہ ”حسبنا کتاب اللہ“ اگر بعد پیغمبر کے علی مرتضیٰ اعلم قرآن اور سنت رسول کو اور اس اہلبیت کو جسکو قرآن کے ساتھ پیغمبر چھوڑ گئے تھے امام و خلیفہ قبول کیا جاتا تو وہ خرابی جو اختلاف سے پیدا ہوئی ہرگز پیدا نہ ہوتی کیونکہ پیغمبر کے مترکہ روحانی اور جسمانی میں باہم اختلاف نہیں ہو سکتا تھا مترکہ روحانی کیا ہے قرآن۔ اور مترکہ جسمانی کیا ہے انکے اہلبیت۔

لیکن ایک کے لینے اور ایک کے چھوڑنے سے قرآن کی جیسا کہ آیات اور کلمات کی تعداد میں اہلسنت کے بیان مختلف ہوا ہے ویسے ہی تعداد سورتوں میں بھی اختلاف کیا گیا ہے جو سب سے زیادہ قابل تعجب کے ہے۔ اجماع معتد بہت یہ مانا گیا ہے کہ قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ لیکن بغض ایک سو تیرہ کے قائل ہوئے ہیں جنہوں نے سورہ انفال اور سورہ براء کو ایک مانا ہے۔ مگر مصحف ابن مسعود میں سورہ براء کے لیے ”بسم اللہ“ تھی الا ان کے مصحف میں ایک سو بارہ سورتیں تھیں انہوں نے معوذتین کو قرآن میں نہیں لکھا تھا۔ اور مصحف

ابو میں ایک سو سولہ سورتیں تھیں انہوں نے اپنے قرآن کے آخر میں الحمد اور النحل دو سورتیں اور لکھی تھیں۔

اور ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحہ الكتاب و معوذتین اور اللهم انا نستعینک واللهم یا ک نعبدک لکما تھا اور ابن سعود نے اسکو چھوڑ دیا تھا۔ اور عثمان نے ان میں سے فاتحہ الكتاب اور معوذتین کو لکھ لیا۔

عبداللہ بن زبیر غافقی کتاہی کہ کہ مجھے عبدالملک بن مروان نے ہر آئینہ جانا تو نے کس خیر نے اڑھایا مجھ کو اور محبت ابو تراب کے گریہ کہ تحقیق تو گنوار ہو گا ہر کما میں نے قسم خدا کی ہر آئینہ جمع کیا میں نے قرآن کو قبل اسکے کہ جمع کریں ماں باپ میرے اور بیشک سکھایا مجھ کو اس سے علی بن ابیطالب نے دو سورتیں کہ سکھائی تھیں وہ دونوں سورتیں رسول صلعم نے نہیں جانا ان دونوں کو تو نے نہ تیرے باپ نے۔

اللهم انا نستعینک ونستغفرک ونلثی علیک ونخلع ونلثی من غیرک۔ اللهم یا ک نعبدک ونسجد والیک نسعی ونخفل نرجو رحمتک ونخشى عذابک ان عذابک بالکفار ملحق۔

ترجمہ: ”ای خدا تحقیق ہم مدد مانگتے ہیں تجسے اور آ مرزش مانگتے ہیں تجسے اور ثنا کرتے ہیں ہم تیری اور جدا ہوتے ہیں ہم اور جوڑتے ہیں ہم جو کوئی نافرمانی کرے تیری۔ ای خدا تجھی کو پوجتے ہیں ہم تو تیرے لیے نماز پڑھتے ہیں ہم اور سجدہ کرتے ہیں ہم اور تیری طرف دوڑتے ہیں ہم اور شباب چلتے ہیں ہم امید رکھتے ہیں ہم تیری رحمت کی اور ڈرتے ہیں ہم عذاب تیرے سے تحقیق کہ عذاب تیرا کافروں کے ساتھ ملحق ہونیوالا ہے۔“

دوسری روایت میں ہے کہ تحقیق عمر بن خطاب قنوت کرتے تھے بعد رکوع کے اور کہتے تھے بسم اللہ کے ساتھ (یہی) ابن جریر نے کہا ہے تحقیق کہ وہ دو سورتیں ہیں بیچ مصحف بعض صحابہ کے۔ اور محمد بن نصر نے کتاب الصلوٰۃ میں کہا ہے ابی بن کعبؓ کہ وہ قنوت کرتے تھے ساتھ ان دونوں سورتوں کے اور کہتے تھے وہ ان دونوں کو اپنے مصحف میں۔“

ایک روایت میں یہ ہے کہ مصحف ابن عباس میں پڑھتا

مع بسم اللہ کے (یہی)

ایک اور روایت میں یہ ہے کہ خراسان میں پڑھیں یہ دونوں

سورتیں۔“

اور خالد بن ابوعمران سے ہے کہ ”تحقیق نازل ہوئے جبریلؑ
ساتھ اُسکے اور بنی صلعم کے درحالیکہ وہ نماز میں تھے مع اس
آیت کے ”لَیْسَ لَکَ مِنْ الْأَمْرِ شَیْءٌ“ (اتقان)

پہ صاحب اتقان لکھتے ہیں کہ ”اسی طرح نقل کیا گروہ نے
مصنف ابی سے تحقیق کہ ایک سو سولہ سورتیں ہیں اور صواب
یہ ہے تحقیق کہ ایک سو پندرہ سورتیں ہیں اس واسطے کہ سورۃ الفیل
اور سورۃ لایلاف قریش ایک سورہ ہے۔“

اور کامل ہذلی میں یہ روایت ہے کہ ”الضحیٰ اور الم نشرح ایک
سورہ ہے نقل کیا اُسکو امام لازسی نے اپنی تفسیر میں۔“

(واضح ہو کہ بموجب احادیث ائمہ علیہم السلام کے مذہب شیعہ
میں یہی مانا گیا ہے کہ سورۃ الفیل اور لایلاف قریش ایک سورہ
ہے اور سورۃ الضحیٰ اور الم نشرح ایک سورہ ہے۔)

کیا یہ روایات کم و بیشی سورتوں قرآن کے متعلق ظاہر نہیں
کر سکتیں کہ قرآن موجودہ میں کمی سورتوں کی ہے۔ ہاں ہاں۔ یہ
روایات ثابت کرتی ہیں کہ بعض سورتیں ایسی کہ جو مصنف بعض صحابہ
میں تین قرآن موجودہ میں شامل نہیں ہیں اور بعض سورتیں جو
قرآن موجودہ میں شامل ہیں وہ قرآن بعض صحابہ میں موجود نہیں ہیں

جس سے ازدیاد اور نقصان قرآن موجودہ میں اچھی طرح سے قبول کیا جاسکتا ہے اور ان روایات کتب اہلسنت سے تحریف قرآن موجودہ میں لازم آتی ہے مگر افسوس ہے کہ مصنف مخاطب اس علانیہ تحریف کے رفع کرنے کے لیے وہ پہلو تفسیر کا اختیار کریں جو روایات کتب مذہب شیعہ میں علانیہ تفسیر آیات کا موجود ہے اور جو نسبت روایات کتب اہلسنت کے صادق نہیں آسکتا ہے اور احادیث ائمہ اہلبیت علیہم السلام سے کہ جو علانیہ بیان مقصود آیات کی جو سے مصداق تفسیر کی ہیں ان سے مصنف مخاطب پہلو تحریف کا نکالیں۔

پہر مصنف مخاطب ذکر اُس روایت کا لکھتے ہیں کہ ”حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک صحیف محمد بن ابی نصر کو دیا تھا اور اس نے مہمین سورہ ”لم یکن الذین کفروا“ جو پڑھا تو اُس میں قریش کے شر آدمیوں کے نام مع ولدیت کے موجود تھے اور مجھے کیا تھا کہ اُسکو دیکھنا مست پر وہ قرآن ”گھٹایا“

اُس پر مصنف مخاطب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ”یہ شخص کیسی نافرمان تھا کہ امام علیہ السلام نے اُس قرآن کے دیکھنے سننے کیا تھا اُس میں ایک سورہ پڑھ لی“

یہ روایت ہم اوپر ایک موقع پر لکھ آئے ہیں اور خود اُس روایت سے ظاہر ہے کہ وہ مصنف تفسیری تھا جس میں تحت اُس سورہ کے جسکا ذکر روایت میں ہے ستر مرد قریش کا نام لکھا ہوا تھا جس سے صاف ظاہر ہے کہ تفصیل نام قریش کی از روئے تفسیر کے تھی اور ایسی دو کتابوں کا ربا العالمین کی طرف سے کہ جن میں نام اہل جنت اور دوزخ کے مع اسماء آباء ان کے کے تھے پاس پیغمبر کے موجود ہونا روایت ترمذی سے بظاہر بقت اس روایت مذہب شیعہ کے ہم دکھا آئے ہیں اور وہ روایت ترمذی مصنف مختاطب نے اپنی تفسیر کسیر اعظم میں ہی لی ہے۔

اُسی موقع سے یہ بھی ظاہر ہو گا کہ مصنف نے جو یہ مطلب اشارہ امام کا لکھا ہے کہ ”اُس قرآن کو دیکھنا مستغلط ہے۔ اُس روایت میں لفظ ”لا تنظر“ ہے جسکے معنی نہ دیکھنے کے مصنف نے غلط لیے ہیں بلکہ اُسکے معنی از روئے لغت کے یہ ہیں کہ ”ناظر کرنا“ یا نظر اُسکے اسی مثل اُسکے نہ کر لینا۔ اور عبارت آئندہ روایت کی کہ امام علیہ السلام نے اُس مصنف کو منگایا اُسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اور مصنف کو اس امر صیح پر خیال کرنا لازم تھا کہ جب ایک مصنف امام نے ایک شخص کو دیدیا تو عقل ہی چاہتی ہے کہ وہ اُس کو

دیکھنے کے لیے دیا گیا پر یہ بات کیونکر سمجھ میں آسکتی ہے کہ اُس سے کہا گیا کہ اسکو دیکھنا ست -

ان حقیقی امور سے نافرمانی کا اعتراف مصنف مخاطب کا غلط ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف مخاطب نے غلط اعتراف قائم کرنے کے لیے غلط معنی لیے ہیں۔

پھر مصنف وہ روایت نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے الفاظ قرآن کے پڑھے وہ اُس قرآن کے مطابق نہ تھے جسکو لوگ پڑھتے ہیں تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس قراءت سے باز رہ اُسی طرح پڑھ جیسے کہ اور لوگ پڑھتے ہیں اُس وقت تک کہ قائم ظاہر ہو تو جب قائم ظاہر ہوگا تو اسد عزوجل کی کتاب کو اُسکی حد کے مطابق پڑھے گا اور اُس قرآن کو نکالے گا جسکو علی نے نکالا تھا اور فرمایا امام علیہ السلام نے نہ نکالا تھا اُس قرآن کو علی علیہ السلام نے آدمیوں کی طرف جبکہ اُس سے فارغ ہوئے تھے اور لکھ چکے تھے پھر علی نے اُسے کہا کہ یہ اللہ عزوجل کی کتاب ہے جس طرح اسد نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل کی تھی میں نے اُسکو دو لوحوں سے جمع کیا ہے (یعنی لوح مکتوب سے اور لوح دل سے)

تو انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے پاس مصحف ہی جمع ہی اُسین قرآن ہم کو اسکی حاجت نہیں تو علی نے فرمایا کہ واسد اسدن کے بعد تم اُسکو کبھی نہ دیکھو گے بیشک مجبوراً جب تھا کہ میں تمکو آگاہ کر دوں جبکہ میں نے اُسکو جمع کر لیا تھا تا کہ تم اُسکو پڑھو۔

اس روایت کو ہم اول ہی دکھا آئے ہیں اور اُسی موقع پر بتایا ہے کہ یہ مصحف وہی مصحف تھا جسکو علی مرتضیٰ نے ترتیب نزول مع تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے لکھا تھا اور جسکا وجود روایات کتب اہلسنت میں بھی موجود ہے مگر مصنف نے اس روایت میں ترجمہ صحیح نہیں کیا کہ جو سوقت قائم ظاہر ہو، بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ جو سوقت قائم ہو قائم ہو نیوالا یعنی جو سوقت کہ خلافت فی الارض کسی امام کے حق میں قائم ہوتا کہ بذریعہ سیاست مدن کے وہ قانون شریعت کو اور قرآن کو اُسکے اصلی معنی میں جو پیغمبر نے بموجب وحی کے تفسیر فرمائی تھی جاری کر سکے۔

مصنف مخاطب جو امور کہ اس روایت سے پیدا کرتے ہیں وہ بالکل بے اصل ہیں اس روایت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو اپنے حفظ پر اعتماد تھا اور اس لیے مکتوب سے اُسکی مطابقت کرتے تھے۔

اس روایت میں علی مرتضیٰؑ کے ارشاد میں صرف یہ لفظ ہیں کہ "میں نے اُسکو دو لوحوں سے جمع کیا ہے" جسکے صریح معنی یہ ہیں کہ لوح دل پیغمبرؐ سے اور لوح دل اپنے سے۔ اور بیشک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "لوح مکتوب سے" (یعنی جو کچھ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا اور اسوقت علی مرتضیٰؑ نے اُسکو لکھ لیا تھا اُس سے) اور اپنی لوح دل سے "علی مرتضیٰؑ نے یہ کلمہ صرف اس توثیق کے لیے فرمایا تھا کہ لوگو! اُسکی صحت پر شبہ نہو اور اس میں اشارہ تھا اُس ارشاد اور دعا پیغمبرؐ کا کہ "علی کسی چیز کو بولیگا نہیں جیسا کہ ہم خود روایت کتب اہلسنت سے پہلے ایک موقع پر لکھ آئے ہیں۔

حضرت علیؑ پر بیشک واجب تھا کہ اپنا جمع کیا ہوا قرآن لوگوں کو دین اس لیے نہیں کہ لوگ زبان سے اُسکو پڑھا کرین بلکہ اس لیے کہ لوگ اُسپر عمل کرین اور جو کچھ اُس میں تفسیر پیغمبرؐی از روئے وحی کے تھی اُسکو لوگ قیام کرین اور آیات قرآنی کو اُسی معنی میں مانیں اور صحیح عمل کی ہدایت کا راز اُم ہو اور اگر سیاست مدن اُسکے ہاتھ میں ہو تو بالجبر لوگوں سے اُسکی تعمیل کرا سکتا ہے۔

قرأت کا لفظ جو اس روایت میں آیا ہے اُسکے یہی معنی ہیں کہ آل محمدؐ سے قائم ہونیوالا خلافت فی الارض پر قرآن کو لوگوں پر پوری

معنی میں پڑھیں گے ہوئے ہیں اور اُس کے بوجب و عطا اور تہا
 کر گیا اور عمل کرائیگا لیکن اُس مصحف تفسیری کو باوصف اسکے کہ علی رضی
 اللہ عنہ خلافت اول میں پیش کیا اور افسوس ہے کہ نہ لیا گیا جسکی نسبت
 افسوس سے علماء اہلسنت نے رائے دی ہے کہ اگر وہ قرآن لیا
 جاتا تو اُس سے نفع کثیر حاصل ہوتا۔

اور جیسے اُس کے لیے جانیکا افسوس ہی ویسے ہی یہ افسوس ہے کہ آل
 محمد سے باوصف گزر جانے بارہ اماموں کے کسی کے ہاتھ میں خلافت
 فی الارض نہ آئی اگر زمانہ گذشتہ میں کسی امام اہلبیت کے ہاتھ میں خلافت
 فی الارض آ جاتی تو معلوم ہو جاتا کہ وہ اُس مصحف تفسیری کو لوگوں کے
 وعظا و رہایت کے لیے کیونکر پڑھتا ہے اور کیونکر عمل کرتا ہے۔

یہ قرآن تفسیری اُسی قسم کا تھا مگر کامل جیسے کہ ابن مسعود اور ابی
 بن کعب کے قرآنوں میں کم کم تفسیریں تھیں جنکے وجود کو تمام علماء اہلسنت
 نے قبول کیا ہے اور مصنف مخاطب نے بھی اپنی تفسیر میں الفاظ رائد کو
 تفسیر قرار دیا ہے جسکو تفصیل سے ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

مگر افسوس ہے کہ خلافتوں مخالف آل محمد نے اُن صحابہ کے قرآنوں
 تفسیری کو ہی نابود کر دیا اور اُس مصحف تفسیری علی رضی اللہ عنہ کی بھی ایسی
 حالت کر دی کہ جسکا درجہ نابود ہونے سے کم نہیں رہا۔ اگر مصحف

ابن سعود اور امی بن کعب کی وجہ سے قرآن موجودہ محرف سمجھا جاسکتا ہے تو مصحف علی سے ہی۔ اور جب یہ قبول کیا گیا ہے کہ اُن صحابہ کے مصحف قرآن تھے تو ضرور ہے کہ پڑھنا اُنکا ہی واجب تھا اور اس اعتبار سے یہ لازم آئیگا کہ اہلسنت کے نزدیک قرآن موجودہ محرف ہے اور اُسکا پڑھنا ہی واجب نہیں ہے۔

ہم پہلے چند مرتبہ کہ آئے ہیں کہ تمام ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے وہ قرآن تفسیری شیعہ کو دیا اس اعتبار سے کہ اُسی قرآن تفسیری کے بموجب ائمہ نے معنی اور مقاصد آیات قرآنی کے بیان کیے اور شیعوں نے اُسکو لیکر اپنی کتابوں میں لکھ لیا۔ لیکن عام طور پر اُسکے پڑھنے کو جو منع فرماتے تھے اُسکی وجہ یہ تھی کہ خلافت فی الارض مخالف اُسکے مقاصد اور مراد کے قائم ہو گئی تھی اگر اُسی معنی میں وہ قرآن عام طور پر پڑھا جاتا تو پڑھنے والا دشمن خلافت قرار پا کر قتل ہو جاتا۔ اور ائمہ کو اپنے دوستوں اور سچے دین اسلام کے معتقدوں کی حفاظت ضروری تھی یہ ایک اصولی مسئلہ ہے کہ غلبہ مخالف کے وقت اُسکے مقابل کو لازم ہے کہ اپنے ہمراہیوں کو محفوظ رکھے۔

ائمہ اہلبیت تارک واجب نہیں ہوئے جیسا کہ مصنف پنجاب کہتے ہیں بلکہ اُس قرآن کے نہ لینے والوں نے کہ جو مخالف اُسکے تھے

ترک وجوب اور ارشاد رسول ﷺ انی تا ساء فیکم الثقلین سے عدد کیا۔ ائمہ اہلبیت نے وہ راہ مستقیم اختیار کی کہ جن لوگوں نے اُن سے اصلی معنی میں قرآن لیا اُنکو اُس معنی میں وہ قرآن دیا ہی اور اُن لینے والو کو اُس قرآن کے نہ لینے والوں مخالفوں سے بچا یا ہی۔

یہ امر ایک ایسا دشوار زمانہ ائمہ اہلبیت میں تھا کہ جس سے زیادہ کوئی اثر شکل نہیں ہو سکتا اور اُس مر کے تمام ہو جائیگی حیرت یقین دلائی ہے کہ اُس امر کا اتمام حقیقی معجزہ تھا۔

علی مرتضیٰ کے پاس بیشک پہلے سے موافق ترتیب نزول کے آیات قرآنی کی یادداشت اور تفسیر تائی ہوئی پیغمبر کی مکتوب (رفی القراطس) اور محفوظ (رفی القلب) تھی لیکن اس روایت سے نہیں ثابت ہوتا ہے کہ وہ مجموع بصورت کتاب تھا بلکہ اس روایت میں جوہ ذکر ہے کہ جب وہ اُسکی کتابت اور جمع سے فارغ ہوئے اور لکھ چکے تو لوگوں سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جس طرح اللہ نے محمد صلعم پر نازل کی تھی میں نے اُسکو دو لوحوں سے جمع کیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے جو کچھ اُنکے پاس مکتوباً محفوظ تھا وہ بیشکل کتاب جمع تھا لیکن اُسی مکتوباً محفوظ کو بصورت کتاب لکھا اور جمع کیا۔

ایسی حالت میں نہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اگر قرآن پہلے سے

مکتوب یا محفوظ تھا تو حضرت علی نے بہر کیا جمع کیا۔ اور اگر موافق ترتیب نزول کے مکتوب اور محفوظ تھا تو بہر ترتیب نزول کیونکر معلوم ہوئی جو قرآن کہ عہد پیغمبر میں نازل ہوتا تھا اُسکو صحابہ لکھ لیتے تھے اور حفظ کر لیتے تھے جیسا کہ محقق علماء اہلسنت قائل ہوئے ہیں۔

بس میں پوچھتا ہوں کہ اگر پہلے سے موافق ترتیب نزول کے قرآن مکتوب یا محفوظ تھا تو ضرور ہی کہ وہ پہلے سے مرتب تھا تو بہر بعد وفات پیغمبر عہد حضرت ابوبکر میں اور عہد خلافت سوم میں کیا جمع کیا گیا اور چند آیات کی نسبت جو یہ بیان ہوا ہے کہ اُسکے بعد وہ آیت نازل ہوئی وقت جمع کرنے کے وہ اُس قدر ترتیب نزول کیونکر معلوم ہوئی اور کس طرح یہ معلوم ہوا ہے کہ اکثر قرآن موجودہ خلاف ترتیب نزول کے ہے۔

شیعہ اور سنی میں اس قسم کے مباحثہ جہین بحث تحریف اور ترتیب اور اجتماع قرآن کی ہو محض لغو اور غیر ضروری ہیں البتہ جو کچھ بحث کیجا وہ اس امر پر بحث ہونی چاہیے کہ علی مرتضیٰ کو کامل اور بعض دیگر صحابہ کو کچھ پیغمبر نے تفسیر قرآن بتائی تھی اور وہ انہوں نے اپنے اپنے صحائف میں لکھ لی تھی اور جس جس قدر ثابت ہوا اُس پر عمل کیا اور جس کو عمل کرنا چاہیے نہ خلاف اُسکے۔

پھر مصنف ایک روایت تفسیر صافی سے نقل کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ علی بن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں اپنی اسناد سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے کہتا تھا اے علی! قرآن میرے بستر کے نیچے ہے

خط ہالی میں جو ترجمہ ہے وہ ہے ان القوان خلف فراشی "کا ہے خلف کے معنی نیچے کے نہیں ہیں بلکہ پیچھے چوڑے نیچے ہیں اور فراش "کے مراد ہی معنی اگرچہ بستر کے آگے ہیں لیکن اصل معنی فگندہ ہونیکے ہیں اس لیے صحیح معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں تحقیق قرآن بعد میرے پیچھے چوڑا ہوا اور بچھا ہوا ہے صحیفوں میں اور کپڑوں اور کاغذوں میں (تم سب اسکو بچھو اور جمع کیجیو اور ضائع مت کیجیو جیسے کہ یہود نے توریت کو ضائع کر دیا)

اس خط ہالی میں بھی جیسا کہ ترجمہ ہے وہ ٹیک نہیں ہے سچا اس کے یہ ہونا چاہیے (پس لو تم اسکو اور جمع کرو تم اسکو اور نہ ضائع کرو تم اسکو) مصنف مخاطب نے یہ ٹکڑا اس روایت کا چوڑا دیا ہے پس کشادہ روی سے متوجہ ہوئے علی ساتھ جمع کرنے اس کے کہ سچ کچے زرد کے پھر مہر کی اور پر اس کے اپنے گھر میں در حالیکہ فرمایا نہیں رد اور ٹکڑا میں بیان تک کہ جمع کروں میں اسکو فرمایا آتا تھا اگر کوئی شخص پس

نکلتے تھے وہ طرف اُسکے بغیر ردا کے یہاں تک کہ جمع کیا اُسکو۔“

مصنف مخاطب یہ حجت کرتے ہیں کہ ”اس روایت سے ظاہر ہے

کہ پیغمبرؐ نے ترتیب نزول نہیں بتائی تھی۔“

بیشک اُسوقت ترتیب نزول کے بتانیکے ضرورت نہیں تھی

کیونکہ یہ ارشاد رسول علی سے اُسوقت کا ہے کہ جب پیغمبرؐ اپنے مرض موت

میں بستر پر پڑے ہوئے تھے اور زمانہ وفات نہایت قریب تھا اور

اُسوقت قرآن نوشتون میں اور کپڑوں میں اور کاغذوں میں لکھا

ہوا تھا اُسکے جمع کر نیکیو پیغمبرؐ نے فرمایا اور ترتیب نزول کی یادداشت

اور اُسکے معنی اور مقاصد بتانیکا اور علی مرتضیٰ کے اُسکے لکھنے کا وہ

وقت تھا کہ جب آیات قرآنی وقفا فوقتاً نازل ہوتی تھیں یہ وقت

ترتیب نزول بتانیکا نہیں تھا کہ ترتیب نزول پہلے معلوم ہو چکی تھی

پہر مصنف مخاطب یہ کہتے ہیں کہ ”قرآن کا مختلف پرچون میں

ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ متفرق اور غیر مرتب تھا۔“

اس سے کسی کو انکار نہیں ہے کہ وقت وفات رسول صلعم قرآن

متفرق اور غیر مرتب نہیں تھا ایسی حیثیت سے کہ جو بصورت کتاب

ہو مگر وہ متفرق غیر صورت کتاب کسی نہ کسی پیر پر لکھا ہوا اور ایک

جگہ تھا لیکن بصورت کتاب جمع تھا۔

اس روایت میں کوئی امر ایسا نہیں ہے کہ جو سنائی اس حقیقت کا ہو بلکہ اس روایت سے جو حالت قرآن کی تھی اُسکی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

پھر مصنف مخاطب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ خطاب فقط ایک علیؑ سے تھا بلکہ تمام صحابہ سے تھا اس لیے کہ پیغمبرؐ نے جمع کے صیغہ بولے ہیں اور ضائع نہ کر نیکی تاکید ہی اسکی دلیل ہے کہ جناب امیرؓ تو معلوم تھے اُن سے تاکید کی ضرورت کیا تھی؟

مصنف مخاطب اس روایت کے یہ معنی بتاتے ہیں کہ علیؑ کو یہ حکم تھا کہ سب صحابہ کے ساتھ ملکر قرآن کو جمع کرین مگر علیؑ نے اس حکم کی پوری تعمیل نہ کی بلکہ مخالفت کی کہ اصل قرآن کے چھ صحابہ کو نہ دیے اور نہ جمع قرآن میں اُنکو شریک کیا بلکہ بطور خود تنہا تمام قرآن کو مرتب کر کے اُنکے سامنے پیش کیا پھر پہلا ایک شخص کی را پر صحابہ کیسے اعتماد کرتے؟

جو کوئی فن بلاغت اور علم معنی اور بیان سے آگاہ ہو وہ کہی اس روایت کے وہ معنی نہیں لے سکتا کہ جو مصنف مخاطب نے لیے ہیں وہ الفاظ یہی ہیں کہ پیغمبرؐ خدا صلعم نے فرمایا علیؑ سے اے علیؑ تحقیق کہ قرآن چھپے میرے چوڑا ہوا انگنڈہ ہے نوشتون اور جامون میں اور

کاغذ و نین پس لو تم اُسکو اور جمع کرو تم اُسکو اور نہ ضائع کرو تم اُسکو۔
 جس سے صاف ظاہر ہے کہ خطاب پیغمبر صلی علیہ وسلم اس وصیت میں ابتداء
 صرف علی مرتضیٰ علیہ السلام کی طرف ہے اور بعد کو وصیت کی تعمیل میں
 جو حصہ جمع کا بولا گیا ہے اُس میں وہی لوگ شامل ہو سکتے ہیں کہ جو اُس
 وصیت کے لیے شریک علی مرتضیٰ کے ہو سکتے ہوں اور سوا
 علی مرتضیٰ جو دیگر اہلبیت پیغمبر سے وہی شریک علی مرتضیٰ کے (کہ جن
 میں علی مرتضیٰ بعد پیغمبر سردارِ امام تھے) سمجھے جاسکتے ہیں اور سوا
 اہلبیت کے صحابہ کو اس وصیت سے کچھ تعلق نہیں ہے اور نہ قرآن
 میں کچھ ذکر صحابہ کا ہے اور نہ ہو سکتا تھا اس لیے کہ یہ آخری وصیت پیغمبر
 کی اُمتِ موقت کی ہے کہ جب وہ مرض موت میں اپنے گھر میں پڑے ہو
 تھے اور سوا اہلبیت کے کوئی ملازمت حاضری کے وقت نہیں کر سکتا تھا۔

اس بنا پر اس روایت کے یہ معنی ہونگے کہ اسی سردارِ اہلبیت
 تحقیق کہ قرآن میرے بعد میرا چوڑا ہوا اور انگنہ ہے نوشتون اور
 اُپڑون اور کاغذ و نین پس لو تم اہلبیت اُسکو اور جمع کرو تم اُسکو
 اور نہ ضائع کرو تم اُسکو۔

یہ ظاہر ہے کہ خلعت کے معنی چھپے رہنے والے یا چھپے چوڑی ہوئی

چیرے کے مین اور پیغیر نے اپنے بعد قرآن اور اپنے اہلبیت کو چھوڑا تھا پس بالکل قرین عقل ہر کہ پیغیر نے ایک خلف سے دوسرے خلف کے لیے وصیت کی اور مقصود اس وصیت سے یہ تھا کہ مین نے اپنی زندگی میں جیسے قرآن لوگوں پر پھونچا یا ویسے ہی تم اس قرآن کو جسکو کہ میں چھوڑے جاتا ہوں تو تم اور جمع کرو تم اور جو معنی کہ میں نے تم کو بتائے ہیں اور لکھا دیے ہیں اُس معنی میں اُسکو ضائع نہ کرنا تم اور تمہاری معنی میں لوگوں پر اسکو قائم رکھنا۔

اس وصیت کی ضرورت صرف علی مرتضیٰ اور اہلبیت سے ہو سکتی ہے اس لیے کہ پیغیر صحابہ کو پہلے ہی وصیت فرما چکے تھے جو اُن سے متعلق تھے کہ میں درمیان تمہارے دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں قرآن اور اہلبیت اپنے اُن سے تسک کرنا کہ ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ آپس سے قیامت تک جدا نہ ہوں گی۔

صحابہ سے کچھ تعلق وصیت ترتیب اور جمع کرنے قرآن کا علاقہ نہیں رکھتا تھا اور نہ ہو سکتا تھا اُن کے متعلق جو کچھ وصیت ہو سکتی تھی وہ وہی ہو سکتی تھی کہ جو چیزیں اُن کے واسطے واجب العمل ہوں اور جو چیزیں کہ واجب العمل نہیں وہ چیزیں باہم تعلق رکھتی تھیں اُن کے لیے وصیت حفاظت کی باہم اُن کے ہو سکتی تھی اور اس بنا پر صرف یہی

لازم آتا ہے کہ اہلبیت کو وصیت جمع اور ترتیب قرآن کی کی جائے۔
 نہ کسی اور کو جن لوگوں سے کہ تعلق جسمانی پیغمبر کا تھا وہی لوگ حفاظت امر
 روحانی پیغمبر کی کر سکتے تھے نہ ان کے غیر۔ وہ غیر قیامت تک صرف ان
 دونوں چیزوں پر عمل کر نیوالے تھے اور اسی کی وصیت ان غیروں کو
 ہو چکی تھی۔

(خلف فرامشی) کے جو معنی مصنف مخاطب نے لیے ہیں
 کہ یہ قرآن میرے بچپن کے نیچے ہے وہ خلاف واقع اور خلاف حقیقت
 ہے مذہب اسلام کا کوئی فرقہ اس بات کا قائل نہیں ہوا اور نہ کسی فرقہ
 کے بیان کوئی ایسی روایت وارد ہوئی ہے کہ پیغمبر کے بستر مرگ کے
 نیچے قرآن متفرق نوشتوں اور کپڑوں اور کاغذوں میں پڑا ہوا تھا بلکہ
 اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ قرآن موجودہ متفرق صحابہ کے پاس
 متفرق چیزوں پر لکھا ہوا تھا کسی کے پاس کسی قدر اور کسی کے پاس کسی
 قدر جو جمع کر لیا گیا تھا بغیر ان تفاسیر کے کہ جو پیغمبر نے بتائی تھیں اور
 جس کے سبب سے امت رسول میں اختلاف واقع ہوا اور مذہب اسلام
 منتشر ہو گیا۔

اس روایت میں اس قرآن تفسیری سے مراد ہے کہ جو اصل قرآن
 بترتیب نزول مع تفسیر بتائی ہوئی پیغمبر کے وقتاً فوقتاً جداگانہ چیزوں پر

علی مرتضیٰ لکھ لیتے تھے جسکے جمع کرنے اور ضائع نہ کرنیکی وصیت پیغمبرؐ نے اپنے اخیر وقت پر علی مرتضیٰ کو کی۔

جب پیغمبرؐ نے صحابہ کو قرآن اور اہلبیت کے ساتھ تسک کی وصیت کی تو ضرور تھا کہ حضرت اور اہلبیت کو یہ وصیت کی جاتی کہ لو تم قرآن کو اور جمع کرو تم اسکو اور نہ ضائع کرنا اسکو۔ تاکہ صحابہ اُس تسک کرین اور گمراہ نہوں۔

اور پیغمبرؐ نے جو صحابہ کو آگاہ کر دیا تھا کہ ”علی قرآن کے ساتھ ہر اور قرآن ساتھ علی کے اور اہلبیت میرے تم سے زیادہ عالم ہیں“ اُسکے ہی یہی معنی ہیں کہ نہنا علی قرآن جمع کر لیا جس اُس تفسیر کے جو اسکو بتا دی گئی ہے اور جسکو اُس نے لکھ لیا ہے اور قرآن پر اُسی معنی میں اُور اہلبیت پر اُسی معنی میں صحابہ کو تسک کرنیکی وصیت کی گئی ہے۔

ان سب روایتوں کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ علی مرتضیٰ کو کہ جو سردار اہلبیت کے بعد پیغمبرؐ بنے والے تھے اور اہلبیت اپنے کو پیغمبرؐ کے یہ حکم دیا کہ تم قرآن کو لو اور جمع کرو اور اسکو ضائع نہ کرو اور صحابہ کو یہ حکم دیا کہ تم قرآن اور اہلبیت پر تسک کرو۔

اس حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد وہ اعتراض مصنف مخاطب کا کسی پہلو سے ہو اس روایت پر وارد نہیں ہو سکتا۔

پیغمبر کی ایسی وصیت اور ہدایت تھی کہ مرتضیٰ کی عصمت کے منافی
نہیں ہو سکتی ایسی کہ علی مرتضیٰ نے جو پوچھا پایا اور کیا وہ پیغمبر کی تعلیم اور
ہدایت سے بہرہ و جب پایا اور کیا ہی۔

شیعہ علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت کی عصمت کے جو قائل ہوئے
ہیں اُسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ایسے معصوم تھے کہ بغیر تعلیم اور ہدایت پیغمبر
کے خود ہی مثل رسول کے احکام دین جاری کر سکیں تھے بلکہ شیعہ کی
نسبت اس بات کے قائل ہیں کہ پیغمبر سے جو ہدایت اور تعلیم پاتے
تھے اُن میں اُن سے کبھی خطا اور غلطی نہیں ہوتی تھی اور نہ کوئی امر قبیح اور
فاحش اُن سے سرزد ہوتا تھا اور اُن کے ایسے معصوم ہونے میں یہ لفظ محفوظ
عن الخطا اہلسنت شیعہ کے ہم زبان ہوئے ہیں۔

اس روایت میں جہاں قرآن کے لینے والوں اور جمع کرنے والوں
اور نہ ضائع کرنے والوں کے لیے صیغہ جمع کا بولا گیا ہے اور جسکے معنی میں
ہم نے علی مرتضیٰ کے ساتھ دیگر اہلبیت پیغمبر کا شمول ظاہر کیا ہے اگر اُس
جگہ ہم دیگر صحابہ غیر اہلبیت رسول سے بھی مراد لیں تو بھی بنظر غفلت
اور علم معافی اور بیان کے اُسکے وہ معنی قرار نہیں پاسکتے جو مصنف کتاب
نے لیے ہیں۔

کیونکہ اس روایت میں جو وصیت پیغمبر خدا صلعم کی منقول ہوئی ہے

انہیں خطاب اول صرف علی مرتضیٰ کی نسبت ہر اور اپنے ارشاد کی تعمیل کے لیے جہاں پیغمبرؐ نے صیغہ جمع کا بولا ہر اُس میں اگر قبول کیا جائے کہ صحابہ ہی شامل تھے تو یہی ضرور ہے کہ اس المؤمنین اور سردار صحابہ علی مرتضیٰ مانے جائیں اور اُس وصیت کے بموجب اول تعمیل کرنے والے اُس وصیت کے علی مرتضیٰ قرار پائیں اور دیگر صحابہ باتباع علی مرتضیٰ کے تعمیل اُس وصیت میں شریک ہوں اس حیثیت سے کہ جو کچھ تعمیل اُس وصیت کی علی مرتضیٰ کریں اُسی کے بموجب صحابہ علی بن ابی طالبؓ لائیں جو کچھ علی نے لیا ہو اُسی کو وہ بھی لیں جو کچھ علی نے جمع کیا ہو اُس سے انکار نہ کرے اُسی کی تائید کریں جو کچھ علی نے ضائع نہ کیا اُسی کو وہ بھی ضائع نہ کریں اور اس نوعیت سے شریک تعمیل وصیت پیغمبرؐ کے ہوں جن الفاظ سے اور جس نوعیت سے کہ وصیت کی گئی ہے (کہ خطاب وصیت میں خاص علی سے ہے اور تعمیل وصیت میں اگر صحابہ شریک کیے گئے) اُسکے یہی معنی کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ جو قرآن کہ علیؑ نے لیا اور جو قرآن کہ علی نے جمع کیا اور جو قرآن کہ اُس میں سے علی نے کچھ ضائع نہ کیا تھا کہ (جس میں کل تفسیر بتائی ہوئی پیغمبرؐ کی از روے وحی کے موجود تھی) وہ قرآن علی سے کہ جسے خاص خطاب اُس وصیت کا تھا نہ لیا جائے۔ اور صحابہ اپنی خود سری سے بغیر شرکت علی مرتضیٰ

کے اُنکے جمع کیے ہوئے کے خلاف اپنی مرضی کے موافق دوسری وصیت سے غیر ترتیب نزول کے اور تبرک تفسیر پیغمبری کے جمع کر لین اور جسکا نتیجہ یہ ہو کہ جو معنی پیغمبر نے از روے وحی بتائے تھے اور لکھائے تھے اسکو ضائع کر دین جیسا کہ توریت میں یہودیوں نے کیا تھا کہ آیات کتاب آسمانی کے معنی کو تاویل کیے بدل دیا تھا اور جسکی خبر خدا قرآن میں دیتا ہے: **يُحْيِي فَوْنَ الْكَلِمِ عَنْ مَوَاضِعِهِ** کہ تحریف کرتے ہیں کلام کو بعض جگہ اُسکی سے۔

مفسرین علمائے اہلسنت نے اس موقع پر تحریف سے مراد تاویل کی لی ہے اور کہا ہے **يُحْيِي فَوْنَ اِىٰ يَا وَلَوْ** کہ تحریف کرتے ہیں معنی تاویل کرتے ہیں۔

اس وصیت پیغمبر میں جو خطاب خاص علی کی ذات سے ہے اور فرض کیا جائے کہ اس وصیت کی تعمیل میں سب صحابہ شامل تھے جسکے معنی اور مراد ہم نے یہ بتائے کہ علی اول اس وصیت کی تعمیل کرنے والے ہوں اور صحابہ اُنکی پیروی سے اُس وصیت کی تعمیل میں شریک ہوں۔

اس معنی کے سمجھنے کے لیے ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن میں جہان کمین خدا نے مومنین کے لیے کچھ فرمان نازل

نازل کیے ہیں تمام مفسرین نے قبول کیا ہے کہ پیغمبر مومنین میں داخل ہیں
تو آیا پیغمبر سبب سردار مومنین ہونے کے اول اُس فرمان کی تعمیل اپنے
اوپر واجب جانتے تھے اور دوسرے لوگ اُس فرمان کی تعمیل میں اتباع
پیغمبر کا کرتے تھے یا کیا۔

کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ دراصل اُس فرمان خدا میں خطاب پیغمبر
کی طرف ہوتا تھا کہ جسکے پاس وہ فرمان نازل ہوتا تھا اور دوسرے مومنین
کو اُسکی تعمیل میں شامل کیا جاتا تھا لیکن اُس فرمان کے عمل میں لسنے
والے اول پیغمبر خدا صلعم ہوتے تھے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ پیغمبر خدا صلعم جب کسی غزوہ میں یا سرزمین
میں کوئی لشکر بھیجتے تھے اور کسی کو اُسکا سردار مقرر کر دیتے تھے اور
اُس سردار سے خطاب کر کے لشکر کو تمام ہدایتیں فرما دیتے تھے تو
ان ہدایتوں پر عمل کرنے والا اول سردار لشکر اور اُسکے اتباع میں لشکر ہوتا
تھا یا عمل سردار لشکر سے قطع نظر کسی کے خود وہ لشکر عمل کرنے لگتا تھا
اور اگر کوئی لشکر پیغمبر صلعم کے سردار کے کہ جسکی لشکر کو تائید و اطاعت
کرنی چاہیے خود سر ہو کر فرض کرو کہ جنگ شروع کر دے تو وہ خلافت
ہدایت عمل کرنے والا اور نافرمان قرار پائیگا یا نہیں۔

اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ علی مرتضیٰ سے بہتر پیغمبر کی

وصیت اور ارشاد کے معنی اور مقصود کو سمجھنے والا نہیں ہو سکتا تھا اور اس سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں کہ جو حقیقت حکم خدا تھا علی مرتضیٰ نے کہی کوتاہی کی اور بلا خوف و اذیت طاقت انسانی کے سمجھا جاتا ہوا احکام پیغمبر کی تعمیل کی -

ان دونوں امروں کے لیے واقعات اور درایتیں خود کتب اہلسنت میں اس قدر موجود ہیں کہ جس سے کسی کو مخالفت کی مجال نہیں ہو سکتی اور جبکہ کچھ کچھ حصہ ہمارے رسالہ جات میں منقول ہے ایسی حالت میں اور ایسے شخص کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ”علیؑ کو یہ حکم تھا کہ سب صحابہ کے ساتھ ملکر قرآن کو جمع کریں مگر علیؑ نے اس حکم کی پوری تعمیل نہ کی بلکہ مخالفت کی کہ اصل قرآن کے پرچہ صحابہ کو نہ دیے اور نہ جمع قرآن میں انکو شریک کیا بلکہ بطور خود تمام قرآن کو مرتب کر کے ان کے سامنے پیش کیا پھر بلا ایک شخص کی رائے پر صحابہ کیسے اعتماد کرتے ؟؟ و سوئے شیطانی سے کچھ کم نہیں ہو سکتا۔

علی مرتضیٰ نے وصیت پیغمبر کی پوری تعمیل کی کہ قرآن کو جو جیسا کہ منشا پیغمبر کا تھا اور جس کے وہ مخاطب تھے اور جسکو ان سے بہتر کوئی سمجھ نہیں سکتا تھا اور جسکا غیروں کو نہ علم تھا اور نہ ہو سکتا تھا جمع کر کے صحابہ کے سامنے پیش کیا بنظر تعمیل وصیت پیغمبر کے اگر صحابہ اس وصیت

میں شریک تھے تو انکو لازم تھا کہ اُس قرآن مجتہ علی کو لیتے اور دیکھتے کہ وہ قرآن صحیح طور پر علیؑ نے جمع کیا ہی یا نہیں۔

لیکن درحقیقت صحابہ کو علی مرتضیٰ کی صداقت پر یقین تھا اسلیے وہ جانتے تھے کہ پیغمبرؐ کی وصیت کی تعمیل علی مرتضیٰ نے پوری پوری کی ہے کہ جو مخالف ہمارے مقاصد کے ہے اسلیے انہوں نے اُسکے جمع اور ترتیب کی صحت پر تو کچھ شبہ نہیں کیا مگر اُسکے نہ لینے پر یہ حجت ظاہر کی کہ ہم نے خود جمع کر لیا ہے تمہارے قرآن کی ہکو حاجت نہیں ہے۔

ایسی حالت میں غور کرنا چاہیے کہ تعمیل وصیت پیغمبرؐ میں علیؑ کے ساتھ شرکت سے خود صحابہ نے انکار اور قصور کیا یا علی مرتضیٰ نے۔

لیکن صورت واقعہ صاف دکھاتی ہے کہ صحابہ نے درحقیقت شرکت تعمیل وصیت پیغمبرؐ میں قطعی انکار اور قصور کیا اور علی مرتضیٰ نے ذرا ہی تعمیل وصیت پیغمبرؐ میں دریغ نہیں کیا۔

میرے اس تمام سخن کی تائید اُس بقیہ حصہ روایت کے نتیجہ سے ہوتی ہے کہ جسکو مصنف مخاطب نے ترک کر دیا تھا اور جسکا نشان خود کتب اہلسنت میں موجود ہے یعنی اُس سرگرمی علی مرتضیٰ سے قرآن کے جمع کرنے میں کہ جو اُسے تعمیل وصیت رسولؐ میں منظور میں آئی کہ بعد تجنیز و تکفین کے جو سب سے پہلا کام اُنکا تھا وہ قرآن کا جمع کرنا تھا

اور انہوں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ جب تک قرآن جمع نہ کر دینگے اور اپنے دوش پر نہ ڈالوں گے۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا کسی اور کام کے لیے گھر سے باہر نہ نکلوں گا۔

ایسا اہتمام تعمیل وصیت پیغمبر میں صرف اسی وجہ سے تھا کہ تعمیل وصیت پیغمبر میں ذرہ برابر فرق نہ آجائے اور جیسا کہ انہوں نے عہد کیا تھا اسے نہایت حزم اور احتیاط سے پورا کر دیا تاکہ جب تک قرآن جمع نہ کر لیا اور وصیت آخری پیغمبر کو بجا نہ لائے خود کسی اور کام کے لیے گھر سے باہر تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ اگر ان کے پاس کوئی آتا تھا تو بغیر ردا اڈے ہوئے اُس سے ملتے تھے۔

جو شخص کہ تعمیل احکام خدا اور رسول میں ایسا سرگرم ہوا جیسے صدق مقال بدیہی کسی کو شبہ نہوا ہوا اور سنی شیعہ دونوں قائل ہوں کہ اُس سے خطا سرزد نہیں ہوئی اُسکی نسبت یہ کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ اُس نے پیغمبر کی وصیت کے معنی نہیں سمجھے اور اُس نے خلاف وصیت پیغمبر کے عمل کیا ایک حیرت انگیز اگر بات نہیں ہے تو کیا ہے۔ اور خلاف ورایت کے تیرہ سو برس بعد تازہ معنی طبع زاد مصنف مخاطب کے ہم نہیں جانتے کہ کیا وقعت رکھ سکتے ہیں۔

جب علی مرتضیٰ نے بموجب وصیت پیغمبر کے قرآن جمع کر کے

روبرو صحابہ کے پیش کیا تو اس وقت صحابہ نے علی مرتضیٰ پر یہ اعتراض نہیں کیا تھا کہ تم نے خلافت وصیت بغیر صلعم کے بغیر ہمارے شرکت کے یہ قرآن جمع کیا ہے۔ نہ انہوں نے اُسکے لینے پر یہ فذر کیا تھا کہ اصل قرآن کے پرچہ ہلکے کیوں نہیں دیے اور بطور خود تنہا تمام قرآن کیوں مرتب کیا اور نہ علی مرتضیٰ کے سامنے یہ کہا گیا کہ ”ہم ایک شخص کی رائے پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں“

بلکہ بجائے ان وساوس کے جو مصنف مخاطب کو پیش آئے ہیں اُن صحابہ نے یہ جواب دیا ہے کہ ہلکے اُسکی حاجت نہیں ہے ہم اُس سے مستغنی ہیں بسبب اُسکے کہ جو ہمارے پاس ہے۔

جو دوسو سو کہ مصنف مخاطب پیش کرتے ہیں وہ وساوس اُن صحابہ کے دل و نہیں نہیں تھے ورنہ وہ اُنکو ضرور روبرو علی مرتضیٰ کے ظاہر کرتے اُنکے اُن امور کے پیش نہ کرنے سے یقین کرنا چاہیے کہ اُن صحابہ کو اس میں کچھ شبہ نہیں تھا کہ پیغمبر نے تنہا علی مرتضیٰ کو جمع کرنے قرآن کا حکم دیا ہے نہ وہ وصیت بغیر صلعم کے یعنی سمجھتے تھے کہ ”علی سب صحابہ کے ساتھ ملکر قرآن جمع کریں یا وہ صحابہ جمع قرآن میں اپنی شرکت کا کوئی حق خاص سمجھتے ہوں“

نہ اُنکو یہ شبہ تھا کہ علی نے اُس حکم کی پوری تعمیل نہیں کی یا علی نے

اُسکی مخالفت کی۔ نہ اُنہوں نے اصل قرآن کے پرچہ علی مرتضیٰ سے طلب کیے۔ اور اُن کے نہ طلب کرنے سے یہ نتیجہ پیدا ہونا ہی کہ خود وہ اصل قرآن کے پرچہ ہی بصورت کتاب کے جمع اور مرتب کیے ہوئے موجود تھے اور اُنکو کچھ شبہ نہ تھا کہ اُن باصل قرآن کے پرچہ اُن کے مطابق وہ قرآن بصورت کتاب لکھا ہوا اور مرتب اور جمع کیا ہوا ہے۔ نہ اُنکو علی مرتضیٰ ایک شخص کی رائے پر اعتماد دی تھی۔ اگر علی مرتضیٰ تین واحد کی رائے پر اُنکو اعتماد کیا ہوتا تو بار بار جو علی مرتضیٰ سے مسائل قرآنی دریافت کیے ہیں کبھی اُن سے دریافت نہ کرتے نہ کبھی اُنکی تنہا رائے پر عمل کرتے۔

افسوس ہے کہ عین اُسوقت اور موقع پر مصنف مخاطب موجود نہ تھے ورنہ اُنہوں نے جو جواب علی مرتضیٰ کے قرآن نہ لینے کا اپنی ذہانت طبع سے پیدا کیا ہے۔ مین قبول کرتا ہوں کہ یہ جواب طبعی مصنف مخاطب کا اُن صحابہ کے جواب سے اعلیٰ اور برتر ہے اور دانا کی مصنف مخاطب کی مافوق دانا کی اُن صحابہ کے ظاہر ہوتی ہے۔

وہ اس قابل تھا کہ بجائے جواب صحابہ کے یہی جواب مصنف مخاطب کا علی مرتضیٰ کے سامنے پیش کیا جاتا۔ یا جن دس دس سے یہ جواب وضع کیا گیا ہے وہ دس دس مصنف مخاطب اُن صحابہ کے دمین ڈالنے اور اُن صحابہ کو اُنکی غلطی سے بچاتے۔

لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ اُن وساوس کو جس پر یہ جواب مصنف
مخاطب کا مبنی ہے یا اس جواب کو کہ جو نتیجہ اُن وساوس کا ہے نہ کسی کا
دل قبول کر سکتا تھا نہ کسی کی زبان اُسکے اقرار پر یاری کر سکتی تھی۔
وہ زمانہ نہایت قریب زمانہ وفات پیغمبر سے تھا اور عہد پیغمبر کو
کی نظروں میں چایا ہوا تھا اور ہر قسم کے فضائل علی مرتضیٰ کے جو پیغمبر
سے سننے اور عمل علی مرتضیٰ کے آنکھوں سے دیکھنے تھے وہ لوگوں کے
کانوں اور دلوں میں موجود تھے اور جس سے علانیہ کوئی انکار نہیں کر سکتا
تھا۔

میں یقین دلاتا ہوں کہ وہ سب صحابہ علی مرتضیٰ کو امام اور قابل
جانشینی پیغمبر کے دل میں جانتے تھے مگر خلافت فی الارض ایک ایسی
دل خوش کن چیز تھی کہ جو اُنکے دل میں سوا اپنے علی مرتضیٰ کے واسطے
رنگ بنیں جنے دیتے تھے۔

اُسوقت کی پالیسی یہ تھی کہ جس پر صحابہ عمل کرتے تھے کہ علی مرتضیٰ
کی کسی فضیلت اور وصف سے علانیہ انکار ہی نہ کیا جائے اور دوسرے
حیلہ سے اُنکے اُس سخن کو جس سے صحابہ کا منصوبہ خلافت غلط قرار پائے
یا حق خلافت علی کے لیے حجت ہو جائے اُسکو مالدیا جائے۔
اُسوقت کی یہ حکمت علی بنین تھی کہ علی مرتضیٰ کی نسبت یہ کہا جائے

کہ انہوں نے پیغمبر کی وصیت کو غلط سمجھا یا پیغمبر کی وصیت کی پوری تعمیل نہیں کی یا اُس سے مخالفت کی ا۔

یہ حکمت عملی جس پر کہ مصنف مخاطب نے جواب ظاہر کیا ہے اس زمانہ کے موافق بیشک ہے کہ زمانہ پیغمبر صلعم کو عرصہ دراز گزر گیا اور فضائل اوصاف علی کے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے موجود نہیں ہیں اور جو کچھ فضائل اور اوصاف علی مرتضیٰ کے کتابوں میں مندرج ہیں وہ اساطیر الاولین سمجھے جاسکتے ہیں اور اس پر ہی مخلوق خدا کو پورا علم اور عبور نہیں ہے لیکن میں یہ امر ضرور قبول کرتا ہوں کہ اُسی پالی اولین نے اس دوسری پالی کا دن دکھایا ہے۔

اُن اولین صحابہ نے علی مرتضیٰ کے پیش کیے ہوئے قرآن کے نہ لینے کا جو یہ جواب دیا ہے کہ "ہکو اُسکی حاجت نہیں ہے ہم اُس سے مستغنی ہیں بسبب اُسکے کہ جو ہمارے پاس ہے"۔

یہ جواب بنظر حکمت عملی اس وقت کے نہایت موزون تھا کہ جس میں نہ علی مرتضیٰ کی کسی فضیلت اور وصف سے انکار تھا اور نہ ان کے جمع اور مرتب کیے ہوئے قرآن کا نہ لینا بظاہر بیعوب ہوتا تھا۔ اور جو اندیشے اُس قرآن تفسیری کے لینے اور جاری کرنے سے لاحق تھے اُن سے محفوظ ملی ہی ہو گئی اور ہر آیت قرآنی کی تاویل کر نیکا اپنی مرضی

کے موافق موقع ہی مل گیا۔ اور آئندہ مسلمانوں کی بوجہ صحابہؓ پر غلطی اور خطاؤں کا ہیج معنی آیات قرآنی میں تفسیر پیغمبری سے الزام ٹھاتین لئے ہی اپنے آپ کو بچا لیا اور مسلمانوں میں اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو جانکی پروانہ کر کے اور مذہب اسلام میں رخنہ ڈال کر مسلمانوں کو حالت تنزل میں پہونچا دیا۔

جب نتیجہ مابعد واقعات پیغمبر سے ایسی حالت صحابہ کی ظاہر ہوتی ہی تو یقین کرنا چاہیے کہ پیغمبرؐ اُن کے قلوب اُن کی نیتوں اُن کے ارادوں سے بخوبی آگاہ تھے اور جس پر آگاہی بنظر حالت زمانہ کے کیا عظیم اور خیر کو لازمی ہی پیغمبر کی اُن پیشین گوئیوں سے واضح ہی جنکو ہم چند موفوق پر اپنے رسالہ جات میں کتب معتمدہ اہلسنت سے لکھ آئے ہیں اور جس کا مقصود یہ ہی کہ صحابہ بعد پیغمبرؐ کے کیا کیا احوال کرین گئے اور شرک کی طرف کس چال سے چلین گئے۔

ایسی حالت میں کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا ہی کہ پیغمبر جن صحابہ کی نسبت ایسا یقین رکھتے ہوں انہیں صحابہ کی نسبت پیغمبر جمع کرنے قرآن کا حکم دین۔

اس بنا پر یہ لازم آتا ہی کہ جمع کرنے قرآن کی وصیت سرور اہلبیت کو بشرکت اہلبیت کے کی جائے اور صحابہ کے لیے یہ حکم دیا جائے

کہ تم قرآن اور اہلبیت پر تسک کرو تا کہ گمراہ نہ جاؤ۔ اگر جمعیت قرآن کی صحابہ کے لیے وصیت کی جاتی تو ہرگز ضرور نہیں تھا کہ ان کے واسطے تسک اہلبیت کا حکم دیا جاتا۔

پہر اگر وصیت پیغمبر کے یہ معنی لیے جائیں کہ صحابہ جمع کرنے قرآن میں علی کے ساتھ شریک ہوں تو تعمیل وصیت پیغمبر کی محال ہو جاتی ہر اس لیے کہ جب صیغہ جمع کا لحاظ نسبت صحابہ کی کیا جاتا ہے تو یہ لازم آتا ہے کہ کل صحابہ شریک جمعیت قرآن کے ہوں اور کوئی دھم نہیں ہو سکتی کہ بعض صحابہ کے لیے شرکت جمعیت قرآن سمجھی جائے اور بعض صحابہ اُس سے مستثنی ہوں۔

صحابہ کی جو تعریف اہلسنت کے بیان قرار دی گئی ہے اُس کے حسبِ کل وہ مسلمان جو پیغمبر صلعم کے سامنے ایمان لائے داخل صحابہ ہوتے ہیں اور عہد پیغمبر میں کہ جنہوں نے پیغمبر کو دیکھا تھا اور پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ہزاروں تھے۔

یہ امر غیر ممکن تھا کہ کل صحابہ جن میں کہ اکثر ملک دور و دراز میں اور راہ صعب گذار میں تھے شریک جمع قرآن میں ہو سکیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر ایک صحابی بھی شریک نہ ہو سکتا تو تعمیل وصیت پیغمبر کی نا جائز ہوتی کیا کسی کی سمجھ میں یہ بات آ سکتی ہے کہ پیغمبر جمع قرآن کی وصیت اسی

شان سے کرین جو ناممکن التعمیل ہو۔

اس بنا پر یہی ہی امر لازم آتا ہے کہ جمع قرآن کی وصیت سردار
الہدیت کے لیے اور اُس میں شرکت کا منشاء بقیہ الہدیت کے لیے
تھا کہ جنکی تعداد مع علی مرتضیٰ کے چار سے زیادہ تھی اور سردار الہدیت
کے باقی تینوں الہدیت مطبع تھے اور وہ چاروں الہدیت اُسی ایک
کمر میں تھے کہ جہاں پیغمبر نے قرآن نوشتون اور حریر اور کاغذ و پیرچہ
تھا جسکو سردار الہدیت نہایت آسانی سے بصورت کتاب جمع کر سکتا
تھا اور دیگر الہدیت اُس میں شریک ہو سکتے تھے اور اسکا یہ نتیجہ ہے کہ صحاح
سے یہ کام متعلق نہیں ہو سکتا تھا۔

۴۸۸ صحابہ کی نسبت مصنف مخاطب لکھتے ہیں کہ وہ انکو توفیق
تھا کہ سب متفق ہو کر اس کام (جمع قرآن) کو کرین تاکہ کوئی غلطی باقی
نہ رہے تمام صحابہ کو انہوں نے اس کام میں شریک کیا تھا اور سب
تحقیق کرتے تھے۔

اور تفسیر صفائی میں جو ایک طویل حدیث جناب امیر کی منقول
ہے جس میں ایک زندیق کے مقابلہ میں قرآن کے متعلق بہت سے
مطالب ارشاد فرمائے ہیں اور اُس میں صحابہ کا جس طور پر قرآن جمع
کر لیا تذکرہ ہے اُسکو سند لائے ہیں جسکا یہ ترجمہ کیا ہے کہ تو پکارا

سنادی اُنکا کہ جسکے پاس قرآن مین سے کچھ ہو وہ ہمارے پاس لاؤ
 حقیقت مین جن صحابہ کو کہ جنکی غرض متحدی یہ منظور تھا کہ وہ
 سب متفق ہو کر جمعیت قرآن کا کام کریں مگر خلافت وصیت پیغمبر
 کے وہ جمع کرنا صحابہ کا قرآن کو اس غرض سے نہیں تھا کہ کوئی غلطی
 باقی رہے بلکہ وہ صحابہ کہ جنکی دوسری غرض تھی خود فضائل اور علم
 اور اوصاف علی مرتضیٰ کو جانتے تھے اور وسیلہ اُنکے علم کا جو تعلیم
 پیغمبر سے حاصل ہوا تھا کسی پر مخفی نہیں تھا اگر اُنکی یہ غرض ہوتی کہ قرآن
 مین کوئی غلطی باقی رہے اور جس معنی اور مراد مین ہر ایک آیت اُنکی
 نازل ہوئی ہو اُسی صحیح معنی اور مراد مین قائم رہے تو قرآن مجتہد
 علی مرتضیٰ کے لینے پر عذر نہ کرتے اور نہایت خوشی سے کہ بغیر کسی
 تکلیف کے مجموعہ قرآن اُنکو ملتا تھا نہایت شکر گزاری کے ساتھ
 اُسکو لے لیتے لیکن اُنکی غرض خلافت اُس مجموعہ قرآن کے تھی کہ
 جسنے ایسے عمدہ اور صحیح مجموعہ کو نہ لینے دیا۔

اور علی مرتضیٰ علیہ السلام نے جو اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے تو کچھ
 سنادی اُنکا کہ جسکے پاس قرآن مین سے کچھ ہو وہ ہمارے پاس لاؤ
 اس سے نتیجہ نہیں پیدا ہو سکتا کہ تمام صحابہ کو اُنہوں نے اس
 کام (جمع قرآن) مین شریک کیا تھا اور سب سے تحقیق کرتے تھے

بلکہ اُس ذکر واقعہ سے نتیجہ پیدا ہوا کہ جن صحابہ نے جمع کرنے قرآن کا
 امداد کیا تھا وہ دوسرے صحابہ سے بسطوت خلافت (کہ جس پر سنادی
 کا پکڑا تا اور ابن مسعود وغیرہ) کو اُن کے قرآن نہ دینے پر ایسے کوڑے
 لگوانے کہ جس کے سبب سے انکی جان جاتی رہی دلیل ہی جس کا
 قدر جس میں کے پاس قرآن تا طلب کر کے اپنے قبضہ میں کرنا چاہا
 ہی جس کے بعد وقت جمع کرنے قرآن کے بصورت کتاب واحدیہ
 اختیار باقی رہتا ہوا کہ اُس جزو جزو قرآن سے جس میں قدر چاہیں لین
 اور جس میں قدر کو چاہیں چھوڑ کر اُن اجزا کو نابود کر دیں۔

چنانچہ اُن روایات سے جو : راویا ثابت ہو گئی ہیں اور اتفاقاً
 سے کچھ ہم ابھی اوپر لکھے آئے ہیں اور کچھ دوسرے موقع پر دوسری
 کتب معتدہ اہلسنت سے دکھایا گیا ہے۔

یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا ہوا کہ بعض بعض اجزاء قرآن بعض بعض
 قرآن سے نہیں لیے گئے۔ جن اجزاء کو کہ وہ صحابی قرآن سمجھتے
 تھے اور جو مصنف مخاطب نے ہی اپنی تفسیر میں تقلید کیا
 شیعہ تفسیر پیغمبری ظاہر کیا ہے۔

کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں ہی وہ تفسیر پیغمبری مثل
 قرآن اور حکم قرآن میں تھے جس کو وہ صحابہ اگر قرآن سمجھتے تھے تو کیا

بیجا کہنے تھے کہ وہ نص قرآنی کے برابر درجہ رکھتے تھے اور حدیث مطہرہ کو جو نص قبول کیا جاتا ہے اُس سے کم رتبہ میں نہیں ہو سکتی تھی۔
 جب صحابہ کے قرآن بسطوت سلطانی طلب کیے گئے اور وقت ترتیب اور جمع کے بعض اجزاء ان قرآنوں کے خارج کر کے ان قرآنوں کو نابود کر دیا گیا تو کیا اس ترکیب جمع قرآن سے یہ صحیح نتیجہ نکلتا ہے کہ صحابہ کو منظور یہ تھا کہ سب متفق ہو کر اس کام کو کریں تاکہ غلطی باقی نہ رہے اور تمام صحابہ کو انہوں نے اس کام میں شریک کیا تھا اور سب سے تحقیق کرتے تھے۔

نہیں بلکہ یہ نتیجہ صحیح پیدا ہوتا ہے کہ ان صحابہ کو جبکی غرض متحدی منظور یہ تھا کہ جن جن دوسرے صحابہ کے پاس قرآن میں سے جو کچھ ہو اسکو بسطوت سلطانی طلب کر کے جو چیز اس میں مخالف انکی غرض اور مضائقے حق کے ہو انکو وقت جمع قرآن بصورت کتاب واحد کے نہ لیکر تلف کر دیں۔

ایسی حالت میں جس نوعیت سے کہ مصنف مخاطب نے یہ کہا ہے کہ ان صحابہ کو تو یہ منظور تھا کہ سب متفق ہو کر اس کام کو کریں تاکہ کوئی غلطی باقی نہ رہے تمام صحابہ کو انہوں نے اس کام میں شریک کیا تھا اور سب سے تحقیق کرتے تھے بالکل غلط ہے۔

اور علمائے اہلسنت کا آیات اور سورتوں قرآن کی بابت قرآن
موجودہ میں تحریف کا قائل ہونا اور قرار دینا ہی صرف نہیں ہر بلکہ
مصنف مخاطب ترکیب اور صورت جمع قرآن میں ہی تحریف کرتے
ہیں۔

قرآن موجودہ پر تحریف کا طعن شیعوں کے اصول اور روایات
کے بموجب کسی طرح وار و نہیں ہوتا ہر صبیحا کہ مصنف مخاطب خیال
کرتے ہیں شیعوں کے بیان ایک ہی روایت معتد ایسی ائمہ
معصومین سے منقول نہیں ہے کہ جس سے اثبات تحریف نفی قرآن
کا ہو سکے اور نہ کسی متاخر غیر معصوم نے اختراعی قول سے اُسکور دیا
ابن بابویہ قمی اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کو جو مصنف مخاطب نے
متاخرین علمائے شیعہ ظاہر کر کے یہ قرار دیا ہے کہ وہ موجود اس مسئلہ
کے تھے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی اور پورا قرآن یہی ہے جواب
موجود ہے۔

اُسکی حقیقت ہمنے دکھا دی ہے کہ وہ متقدمین علمائے شیعہ
سے ہیں مصنف جو انکو متاخرین علمائے شیعہ سے قرار دیتے ہیں
مطانیہ غلط ہے اور مصنف مخاطب کے ذمہ باقی رہا ہے کہ ان دونوں
علمائے شیعہ سے ما قبل بتائیں کہ کون علمائے شیعہ ایسے تھے جو

تحریر نفی قرآن کے قائل ہوئے ہوں۔

یہ بیان مصنف کا کہ جن صحابہ نے قرآن موجودہ کو جمع کیا ہے وہ شیعوں کے اعتقاد میں ثقہ نہ تھے بلکہ خائن تھے اور تمام صحابہ ارتداد میں اُنکے ساتھ شریک تھے (معاذ اللہ منہا) حضرت علیؓ کو جرات نہ تھی کہ اُنکی خیانت کو روک سکتے تھے جس حیثیت سے ظاہر کیا ہے صحیح نہیں ہے شیعہ اُن صحابہ کو مرتد مطلق نہیں جانتے ہیں البتہ اُنکی نسبت کامل الا بیان ہونیکا اعتقاد نہیں رکھتے اور جس نوعیت سے کہ اُنکو غیر کامل الا بیان سمجھتے ہیں اُسی نوعیت سے اُنکا درجہ غیر ثقاہت اور خیانت میں مانتے ہیں۔

قرآن موجودہ بذریعہ سطوت خلافت کے جمع کیا گیا ہے اور قرآن موجودہ کی جمعیت کی شان یہ ہوئی تھی کہ دیگر قرآنوں میں جو تفسیر پیغمبری تھی اور جسکو صحابہ مثل قرآن اور حکم قرآن میں سمجھتے تھے وہ نکال ڈالا گیا اور اُسکو قرآن موجودہ میں شامل نہیں کیا گیا ایسی حالت میں بمقابلہ سطوت خلافت کے علی مرتضیٰؓ کو ضرورت نہیں تھی کہ تفسیر پیغمبری کے قرآن موجودہ میں شامل ہونے کے لیے تلوار کھینچتے اگر سیاست مدن علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ میں ہو تو وہ بیشک ایسا کر سکتے تھے کہ ہر کسی مسئلہ صحیح کی تعمیل کر لیں

اور جیسے بوجہ ہاتھ میں نہونے سیاست مدن کے کسی غلط مسئلہ ^{تحت} کے عمل کو بجز ہدایت کر دینے کے قرآن میں روک سکتے تھے ویسے ہی قرآن موجودہ میں تفسیر پیغمبری کے نہ شامل کر نیکو یا اُسکے ترک کو جس سے غیر صحیح تاویل اور غلط مسائل قرار دینے کا موقع ہر ایک شخص کو حاصل ہو گیا روک نہیں سکتے تھے۔

البتہ بوجہ وصیت پیغمبر کے علی مرتضیٰ کا صرف یہ فرض تھا کہ قرآن کو بوجہ تعلیم اور ہدایت اور تفسیر پیغمبری کے جمع کرتے چنانچہ ویسا ہی انہوں نے جمع کیا اور خلفا کے سامنے کہ جنکے ہاتھ میں خلافت تھی پیش کیا علی مرتضیٰ نے جس قدر اُنکا فرض تھا ادا کر دیا دیگر صحابہ نے جو اُسکو قبول نہ کیا اُسکی بابت وہ مشغول الذمہ رہے اور ویسا کہ وہ صحابہ کامل الایمان نہیں تھے ویسا ہی انہوں نے ایسا قرآن جمع کیا کہ بلحاظ نہ شامل ہونے تفسیر پیغمبری کے کامل نہیں سمجھا جاسکتا قرآن موجودہ کے کمال میں یہ نقص رہا کہ ہر لفظ اور ہر آیت کے معنی اور مقصود کو ہر مسلمان اپنے ذہن اور مرضی کے موافق لگانا ہر جسکے سبب سے مذہب اسلام میں صراطِ مستقیم چوٹ کر سیکڑوں راہیں بڑ گئیں اور باہم مسلمانوں کی نوبت جنگ و جدال کی پہونچی اور قوت اُنکی منتشر ہو گئی۔

اگر وہ تفسیر پیغمبری جو مثل قرآن اور حکم قرآن میں تھی قرآن موجودہ میں شامل کی جاتی یا بموجب وصیت پیغمبر کے جو قرآن علی مرتضیٰ نے جمع کیا تھا لے لیا جاتا یا وہ تفسیر پیغمبری قرآن مجتبعہ علی مرتضیٰ سے یا قرآن ابن مسعود یا ابی بن کعب سے شامل قرآن موجودہ کی جاتی جس قدر کہ ان میں تھا کہ وہ بھی تشریح مسئلہ امامت اور نام علی مرتضیٰ کے لیے کسی قدر کافی تھی یا قرآن موجودہ کے معنی وہی لیے جاتے جو اہلبیت پیغمبر کے جن میں علی مرتضیٰ داخل ہیں فرماتے کہ جنکے تمسک کے لیے پیغمبر حجۃ الوداع میں آخری وصیت تمام صحابہ سے فرما گئے تھے۔

نو کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ ایسا قرآن بمقابلہ قرآن موجودہ کے ایسا کامل ہوتا کہ جس سے وہ راستہ اختلاف مسلمانوں کا بند ہو جاتا کہ جو غنہ مذہب اسلام کے لیے ہوا ہے اور جس کے باعث سے باہم مسلمانوں کی نوبت کشت و خون کی پہونچ کر قوت مسلمانوں کی تباہ اور برباد ہو گئی ہے۔

ایسا قرآن کامل نہ جمع کرنے سے بیشک ان صحابہ سے خطا ہوئی کہ جنکی مرضی کے موافق وہ جمع ہوا اور ایسی خطا کا واقع ہونا اُسے کچھ قابل تعجب کے نہیں تھا کہ خود اہلسنت اُنکو معصوم قرار نہیں دیتے ہیں اور جس کسی کو کہ معصوم قرار نہ دیا جائے اُس سے خطا کا سزا ہونا

خارج امکان سے نہیں ہر اور شیعہ اسی قسم کی انکی خطاؤں کے سبب سے
انکو ناکام الایمان مانتے ہیں اور اسی اعتبار سے انکو غیر ثقہ اور خائن سمجھتے
ہیں۔

مگر غیر معصوم کو ایسا سمجھنا کچھ شیعہوں پر موقوف نہیں ہے بلکہ خود علما
اہلسنت بھی غیر معصوم فاسق اور فاجر کو مسلمان مانتے اور جانتے ہیں
اور اُسکے فسق و فجور کے باعث سے کہ جو مخالفت امور اسلامی میں ہیں
سے ظاہر ہوتی ہے تمام دیگر امور اسلامی سے اُسکے جو مطابق احکام
شرعیات کے صادر ہوتے ہیں قطع نظر نہیں کرتے۔ لیکن بمقابلہ
ایسے شخص کے کہ جس سے کوئی خطا یا فسق و فجور سرزد نہ ہو کم درجہ
ضرور ہے کہ رکبین۔

لیکن مصنف مخاطب افسوس ہے کہ شیعہوں سے یہ چاہتے ہیں
کہ غیر معصوم صحابہ کو جن سے خطا سرزد ہوئی اور خطا سرزد ہونے کا
امکان تھا ایسا ثقہ اور غیر خائن مان لیں کہ جیسے معصوم ہوتا ہے۔

یہ بات نہیں ہے جیسا کہ مصنف مخاطب کہتے ہیں کہ وہ اتنا
پتہ تو صاف صاف مل گیا کہ مسئلہ امامت اور اسامے ائمہ اور اسکا
اعداسے ائمہ انہیں سے خارج کر دیے گئے اسکے سوا اور ارکان ہیں
نہذا جانے کیا کیا نکل گئے ہوں گے۔

”بندہ یہ بات ہے کہ مسئلہ امامت کی تصریح اور اسامیے ائمہ اور اسامیے اعدائے ائمہ جو تفسیر پیغمبری سے از روئے وجہ ظاہر ہوتا تھا وہ قرآن موجودہ میں شامل نہ کرنے کی حیثیت سے ضرور خارج کر دیے گئے جسکی حقیقت خود کتب اہلسنت اور روایات مسلمہ مصنف مخاطب سے ہم اوپر دکھا آئے ہیں۔

اور اسکے سوا دیگر ارکان دین خدا جو علمائے اہلسنت نے اپنی اپنی رائے سے خلاف تفسیر پیغمبری تاویل کر کر کے قائم کیے ہیں وہ بھی سب معلوم ہو گئے ہیں اور جبکہ تعین وہ اختلاف ظاہر کرتا ہے جہاں جہاں ہر قسم کے مسائل میں سنی اور شیعہ کے درمیان اختلاف ہے اور جسکا ذکر مفصل کتب فریقین میں موجود ہے اور جسے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ مذہب اہلبیت کیا رہا ہے اور مذہب غیر اہلبیت کیا ہو گیا ہے۔

یہ احتمال مصنف کا کہ ”شاید مسئلہ امامت کو اللہ نے بطور بدایہ منسوخ کر دیا ہو اور حکم ناسخ اس قرآن میں ہو جو ساقط ہو گیا“

مسئلہ بدایہ غلط فہمی کی وجہ سے ہی کسی قدر مسئلہ بدایہ کا بیان ہم پہلے ایک موقع پر کر آئے ہیں۔ درحقیقت مسئلہ بدایہ قانون قدرت الہی کے مطابق ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قانون قدرت الہی زمین سے خد

او گاتا ہی اور کبھی وہ درخت ایک مدت تک موجود اور قائم رہتا ہی اور
 کبھی دوسرے قانون قدرت اسی کی وجہ سے کبھی جلد اور کبھی دیرین
 فنا ہوتا ہی اور دوسرا درخت اسی جگہ پیدا ہو جاتا ہی اور جب تک کوئی
 حد سر درخت پیدا نہ ہو جس کے مفید خلائق ہونیکا یقین ہو یا اگر کسی خست
 کو قبل از وقت قطع کر دیا جائے اور اسکی شاخ ہو کر درخت ہو جائے
 کی حالت پیدا نہ کرے اسکا انتظار کیا جاتا ہی۔

یہ مثال مسئلہ ہدای کی وجود امام سے متعلق ہو سکتی ہی جب تک امام
 زندہ رہے یا اپنے منصب کو ترک یا معطل کر دے۔

لیکن امامت کو اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں ہی امامت کا
 ایسا مسئلہ ہی کہ جیسے کسی زمین سے جو قابلیت روئیدگی کی رکھتی ہی
 اس سے روئیدگی کا نمونا محال ہی اسلیئے مسئلہ امامت نہ منسوخ ہوا
 نہ ہو سکتا تھا اور نہ اسکا حکم نسخ قرآن میں تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔

قرآن موجودہ میں جو کچھ ہو جب تفسیر پیغمبری کے تشریح تھی شامل
 نہ ہونے سے مقصود قرآن البتہ ساقط ہو گیا جو اس امر کو شامل تھا کہ
 تاکہ مسلمانوں میں اختلاف اور تفرقہ پیدا نہ ہو۔

مسئلہ امامت کے منسوخ نہ ہونے کی وجہ یہ ہی کہ مخلوق خدا کو چارہ
 نہیں ہی بخیر اسکے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا مقام اسکے لیے ایسا ہو کہ جو حدت

کی نوعیت سے اُنکا انتظام اور اصلاح کر سکے اور وہ مقام اعلیٰ درجہ عدالت کا مخلوق کے انتظام کے لیے اس لیے ضروری ہو کہ انصاف اُس جگہ ختم ہو سکے۔ اس لیے ضروری ہو کہ ہر زمانہ میں ایک امام مقرر فی لقاۃ مانا جائے۔

قرآن صرف موافقت پر محدود نہیں ہے بلکہ احکام انتظامی جو مخلوق کے لیے ضروری ہیں اُس میں شامل ہیں۔ اس لیے ضروری ہو کہ کوئی امام ایسا مقرر کیا جائے کہ جو نفاذ اور تعمیل قرآن کی کر سکے اور اسی موقع پر عقل یہ چاہتی ہے کہ وہ امام ایسا ہو کہ جو اپنے ہم عصر مخلوق میں سب سے زیادہ عادل ہو تاکہ اُس کی عدالت کے سبب سے اُس کے حکم میں خواہ وہ انتظام اندرونی سلطنت سے تعلق رکھتا ہو خواہ بیرونی سلطنت کے جنگ اور صلح سے۔

اور اسی عدالت پر نظر کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ سلطنت میں عصمت بضروری لازم ہے کہ رعایا کو یقین ہو کہ قانون بچھا ہے اور جسے کہ قانون بچھا ہے ویسے ہی حکم امام ہی بچھا ہے ورنہ حکم اور قانون چلا یا نہیں جاسکتا اگر شخص عمل کر نوا لایہ تردد کرے کہ حکم صحیح ہے یا نہیں تو اندرون سلطنت بالقلب اُس پر کیونکر عمل کر سکتا ہے اور بیرون سلطنت دوسرے کیونکر کوئی جنگ کرنے کے لیے جاسکتا ہے اور جنگ میں کیونکر کوئی کسی

کو قتل کر سکتا ہے۔

کیا کچھ شبہ ہو سکتا ہے کہ جب تک قانون اور حکم امام پر بخیطا ہوں بیجا نہیں حاصل ہو جائے بغیر اسکے امام کو منقرض الطاعہ مانا جا سکتا ہے۔ یہی معنی ہیں ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم“ کے۔

خدا قانون بخیطا کا القا کرنے والا ہے اور رسول بخیطا اُس قانون کو لوگوں پر پہنچانے والا اور اولی الامر بخیطا اُسکا تعمیل کرنے والا ہے تاکہ جسکے ہاتھ میں کاروبار ہو اور دراصل اسی کاروبار کے چلانیکو امامت کہتے ہیں اور اُسی کاروبار والیکو خدا نے اولی الامر کہا ہے جیسا کہ معنی لفظ احمر سے ظاہر ہے جسکی مراد کاسے لی جاتی ہے مگر ضرور ہے کہ ایسی امامت تابع خلافت نہواور نہ ایسا امام طبع خلیفہ قرار دیا جائے ورنہ مخلوق خدا کو ضرر پہنچے گا کیونکہ امامت تابع خلافت ہونے سے دین کامل طور پر نہیں چل سکتا ہے اور خلافت تابع امامت ہونے سے تعمیل دین کی صحیح طور پر ہو سکتی ہے۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ ایسی امامت کی قابلیت سوا علی مرتضیٰ اور دیگر ائمہ اہلبیت کے بمقابلہ انکے ہم عہد خلفاء کے کسی کو نہیں ہو سکتی تھی جسکی بنائو اسی وقت پڑی ہے کہ جسوقت پیغمبر نے اول دعوت اسلام اپنے قریب تر کنبہ والوں پر کی ہے اور جسوقت کہ پیغمبر نے مبعوث ہو کر اظہار دعوت اسلام کا کیا اُسی وقت علی مرتضیٰ نے کھڑے ہو کر پیغمبر

کے امر تبلیغ رسالت کی نصرت اور اعانت کو اپنے ذمہ لیا اور جسے کلمہ پیر
منجانب الہدٰ رسالت پر مبعوث ہوئے ویسے ہی علی مرتضیٰ منجانب
الہدٰ امامت پر مبعوث ہوئے جنکا کام امر تبلیغ رسالت کو تعمیل کرنا تھا
اور یہ دونوں امر عین ایک ہی وقت پر ظہور میں آئے۔

یعنی ہین امام منجانب الہدٰ کے امامت کے لیے جسکے تابع خلافت
ہے۔ شرافت نسبی۔ قوت جسمانی۔ شجاعت۔ فصاحت۔ علم۔ عدالت
ضروری ہین۔

یہ تمام اوصاف حسن اتفاق قدرتی سے اور لیاقت ذاتی بحیثیت
کسب کے بوجہ تعلیم اور تربیت اور استمراری معیت پیغمبر کے اور خدا
اسلام کے بجالانے سے (جن میں محض مرضات الہدٰ کے سوا کہ جنگ
بدلہ میں اپنا نفس بخیج ڈالنا تھا اور کچھ مقصود نہ تھا) حاصل ہو کر علی مرتضیٰ
میں جمع ہو گئے تھے۔

میں پوچھتا ہوں مجھ کو کوئی بتائے کہ ان اوصاف میں سے کونسا
وصف ایسا ہے کہ جو مقابلہ دوسروں کے علی مرتضیٰ میں اعلیٰ اور برتری
تھا اور کون امر مانع ہوا کہ انکی امامت کو برقرار نہ رکھا گیا کہ جو عند پیغمبر
سے چلی آتی تھی اور بعد پیغمبر انکو خلیفہ قبول نہ کیا گیا۔

یہی مسئلہ امامت کا جسکو مسئلہ بدائے سے کوئی تعلق نہیں اور نہ

مسئلہ امامت کا نسخہ ہو سکتا تھا اور یہی مسئلہ امامت کا قرآن موجود
میں اب بھی موجود ہے (دیکھو بحث امامت از صفحہ ۷۷، جلد دوم ص ۷۷
روشنی)

البتہ مسئلہ امامت کی تشریح جو تفسیر پیغمبری میں تھی وہ قرآن موجود
میں شامل نہونے سے بیشک ساقط ہو گئی۔

مصنف مخاطب بجائے اسکے کہ مسائل متنازعہ پر کوئی محققانہ
لکھیں شیعوں پر مطاعن قائم کر نیکی کوشش میں بطور طنز کے یہی فرض
کرتے ہیں کیا عجب ہے کہ انہوں نے (صحابہ غیر ثقہ نے) قرآن میں
کچھ بڑا ہی دیا ہو جیسے اہل کتاب نے توریت انجیل وغیرہ میں بڑا
اور بہر خود ہی اسپر تفریح کر کے اپنے قیاسات گذشتہ دورا کا
کا اعادہ کرتے ہیں جسکی بابت اس موقع پر ہکسو اسکا اسکے اور کچھ کہنے کی
ضرورت نہیں ہے کہ مصنف نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ کتب میں
شیعہ سے انہر اعتراض کر نیگے لیکن کتب شیعہ سے انہر اعتراض تو
امر محال تھا خود اپنی کتب سے ہی کوئی طعن اُنسے نہوسکا۔ تب
انہوں نے یہ وتیرہ اختیار کیا ہے کہ محض وسوسہ اپنے دل میں ڈالکر
شیعوں پر الزام لگانے کے لیے یہ کہتے ہیں کہ یہ کیا عجب ہے کہ انہوں
(صحابہ غیر ثقہ) نے قرآن میں کچھ بڑا ہی دیا ہو۔

اور جب اس تخیل کی کوئی بنیاد نہیں تو اُس پر جو کچھ تفریح کی گئی ہے وہ خود بے بنیاد ہے کہ جس کی کوئی حقیقت ہو کہ وہ کسائی کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ غلط مصنف مخاطب کا کہ ”جناب امیر کو اپنی خلافت کے زمانہ میں ہی اصلی قرآن ظاہر کر نیکی جرات نہیں ہوئی۔ ائمہ کو بھی شاید خوف کی وجہ سے یہ موقع نہ ملا“ علی مرتضیٰ کی اور ائمہ معصومین کی حالت پر بے پروائی کر نیکی وجہ سے ہے۔

علی مرتضیٰ کا زمانہ خلافت کم مدت تک رہا اور جو وقت کہ زمانہ خلافت شروع ہوا تھا اُس وقت حالت خلافت کی نہایت اہتر ہو گئی تھی اور ایک فتنہ عام پھیل چکا تھا جو حضرت عثمان کی جان لے چکا تھا۔ وہ وقت ایسا سخت اور مشکل تھا کہ سوا علی مرتضیٰ کے کسی کو جرأت خلافت قبول کر نیکی نہ ہوئی نہ ہو سکتی تھی۔ جب علی مرتضیٰ نے اُس پر فسادِ حالت خلافت کو قبول کیا تو قدم قدم پر فتنہ برپا ہو گئے جس کا اصلی باعث خلافتِ مرضی خدا اور سنتِ رسول کے خلافت کو بے محل مقامِ جد پر قائم کرنا تھا۔

پیغمبر نے جس کسی کو اپنے حمد میں کار پر واز مذہبِ اسلام قبول کر لیا تھا وہی مرضی خدا اور سنتِ رسول کی تھی بر خلاف اُس کے بعد

پنجمے دو سو نو کو یکے بعد دیگرے خلفا قبول کیا گیا اسی بات سے ہر ایک شخص کو حصول خلافت کا حوصلہ ہو گیا تھا اور اسی حوصلہ نے اُس نے خلافت خلیفہ (علی مرتضیٰ) کو میدان جنگ جمل اور صفین کے دکھائے۔ جنگ جمل کی فتنہ پرداز سی کو علی مرتضیٰ نے فرو کر کے کامیابی حاصل کی اور جنگ صفین میں بھی فتحیابی ہو ہی چکی تھی کہ عین معرکہ جنگ میں لشکر علی مرتضیٰ کے ایک گروہ نے ایک نیا فتنہ برپا کیا جس کا نتیجہ جنگ کا بند ہو جانا لازمی تھا اگر اُس وقت جنگ بند نہ کی جاتی تو خود باہم شکر علی مرتضیٰ کے کشت و خون شروع ہو جاتا اور دشمن حملہ کر کے لشکر مطیع علی مرتضیٰ کو قطعی تباہ کر دیتا۔

ایسی حالت میں امام یا جو افسر علی اُس وقت فوج کا ہو اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مطیع لشکر کو دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھے اور ایسی تدبیر کرے کہ اُس کے مطیع لشکر کی قتل سے حفاظت ہو جائے تاکہ وہ پہر کسی دوسرے وقت پر کام آئے۔

چنانچہ علی مرتضیٰ نے اپنے اُسی محفوظ لشکر سے دوسرے وقت پر اُسی گروہ فتنہ پرداز لشکر کو تہ تیغ کر کے فتحیابی حاصل کی لیکن بمقابلہ معاویہ بن ابوسفیان علی مرتضیٰ دوبارہ لشکر اور سامان جنگ ہتھیار کر کے تھے کہ وہ واقعہ ناگہانی پیش آیا جس کا نتیجہ علی مرتضیٰ کا قتل خانہ خدا میں

بحالت نازکے ابن لجم کے ہاتھ سے ہوا۔ اگر یہ واقعہ پیش نہ آتا تو فرد
علی مرتضیٰ شامی فتنہ کو فرو کر دیتے۔

جس شخص نے کہ عہد پیغمبر میں اپنی قوت بازو سے ہرجنگ جہل
میں دشمنوں کو قتل کر کر کے دین اسلام کو جاری اور قائم کر دیا اور
عہد خلافت حضرت عمر میں ہی اسی شخص کی اسے پر عمل کرنے سے ملک
شام اور ایران فتح ہوا۔ اور اپنے قلیل زمانہ خلافت میں ہی فتحیاد
حاصل کیں کیا اسکی نسبت یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ بمقابلہ فتنہ شام
کے کامیاب نہ ہو سکتا؟ نہیں۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔

علی مرتضیٰ کا ہر فعل اور قول خواہ اُنکا زمانہ خلافت کا تھا یا نہ تھا
بالکل مطابق قرآن کے رہا ہر اندرون نے اس تفسیر پیغمبری کے جسکی
اُنکو تعلیم دی گئی تھی۔

قبل اُنکے زمانہ خلافت کے جس سلسلہ اور جس معاملہ میں خلفاء
ہم عہد اُنسے اسے لیتے تھے جسکی بابت کتب المسندت الامالی میں
وہ ارشاد علی مرتضیٰ کا اُسی تفسیر پیغمبری کی رو سے ہوتا تھا اور اُسی
کی بنا پر علی مرتضیٰ مسائل کو حل اور امور کو طے کرتے تھے اور اُنکو اپنے
اُس قلیل زمانہ خلافت میں جو امور پیش آئے اُنکا ہر قول اور فعل مذہب
اسلام میں سند لیا جاتا ہے اور یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اگر علی مرتضیٰ کی

نظیر موجود نہوتی تو مذہب اسلام اس سلسلہ ہی سے خالی نہا کہ باغیوں کے ساتھ کیا عمل کرنا چاہیے (دیکھو سیرۃ النعمان)

دھقیقت علی مرتضیٰ نے اگرچہ مسئلہ بغاوت قرآن میں لیکن اس کے متعلق بہت تشریحیں اپنے قول اور فعل سے کر دیں اور اچھی طرح سے بتا اور بتا دیا کہ امام کا کیا حق اور اختیار ہوا اور قرآن موجودہ کو کہ دیا کہ یہ قرآن صامت ہوا اور سنا دیا کہ میں قرآن ناطق ہوں۔ یہ تہی جرات اجراء اس قرآن تفسیری پیغمبری کی۔

کچھ شبہ نہیں ہے کہ علانیہ طور پر بعد وفات پیغمبر ہر زمانہ میں اپنے دم مرگ تک اسی قرآن تفسیری کو اپنے زمانہ خلافت اور غیر خلافت میں جب جب موقع ہوا اور جب جب کسی نے دریافت کیا علی مرتضیٰ جاری کرتے رہے اور آئندہ اجراء کے لیے وہ قرآن تفسیری اور اپنا عمل اپنے گیارہ جانشینوں کے لیے چھوڑ گئے جو یکے بعد دیگرے ہوئی والے تھے جسکو ہر زمانہ کا جانشین جاری کرتا رہا۔

بیشک اللہ اہلبیت نے ایسا خوفناک زمانہ پایا تھا کہ ہر دم ہر قسم کا خوف لگا رہتا تھا مگر ائمہ میں انکی بخوبی آزمائش ہو گئی کہ وہ ذرا ہی خوف نہیں ہوئے اور اہل حق برابر کہتے رہے اور سچے دین کی ہدایت اور تعلیم دیتے رہے اور طریقہ علی مرتضیٰ پر جو عین طریقہ پیغمبر کا

تفاعل کرتے رہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے یہ لڑائی ترک خلافت کی دیکھا
تھا جنگ کا بند کر دینا اپنے دوستوں کی مخالفت کے لیے کہ دشمن کے
ہاتھ سے قتل ہو جائیں جیسا کہ خود انکے ارشاد میں موجود ہے یہ طریقہ حفاظت
کا وہی تھا کہ جو علی مرتضیٰ نے صفین میں جنگ کو بند کر کے اپنے دوست
لشکر کو دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھا تھا۔

کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ ترک خلافت سے حضرت معاویہ
کے لیے حق خلافت پیدا ہو گیا نہیں ترک سے انتقال لازم نہیں آتا
ہے کہ خلافت حق حضرت معاویہ کا سمجھا جاسکے۔ امام نے جب خلافت
کو ترک کیا تو مستحق قبضہ اُسپر وہی ہو سکتا تھا کہ جسکا اُسپر حق تھا حضرت
معاویہ نے جو اُسپر قبضہ کیا اُسکے وہ مستحق نہیں تھے لہذا قبضہ اُسپر حق
سمجھنا چاہیے۔

حضرت امام حسین نے شب عاشورہ جو اپنے ہمراہیوں کے
مقابلہ میں یہ خطبہ فرمایا تھا کہ ”میں تم لوگوں کو جس نیت اور ارادہ سے
ساتھ لایا تھا وہ صورت باقی نہیں رہی ہے (یعنی امید فتح) اور میں
دشمنوں میں گھر گیا ہوں اور یہ قوم سوا میرے کسی اور کی طلبگار نہیں
ہے میں تم لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کہ شب تاریک ہو جائے تاکہ لوگوں کو

ندامت و اسگیر نہو) جس طرف جس کا جی چاہے چلا جائے اُس پر کچھ لوگ چلے گئے اور جو لوگ بوجہ محبت رسول کے امام سے عشق رکھتے تھے انہوں نے امام علیہ السلام کو تنہا دشمنوں میں چھوڑنا گوارا نہ کیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جو اپنے ہمراہیوں کو اختیار چلے جائیگا دیا وہ اُن کا فرض منصبی امامت کا تھا۔ جب اُن کو یقین ہو گیا کہ میں ہی قتل ہو جاؤں گا اور میرا ہمراہی بھی کوئی زندہ نہیں رہیگا تو پھر لازم تھا کہ وہ اپنے ہمراہیوں کی حفاظت کی تدبیر کریں اور اُن کے اسی بیان تدبیر حفاظت نے ثابت کر دیا کہ وہ امام برحق تھے اور امام برحق کا ہی درحقیقت یہ کام ہے کہ کون موقع دشمن سے جنگ کا ہے اور کون موقع دشمن کے ہاتھ سے اپنے ہمراہیوں کو محفوظ رکھنے کا۔ اور اسی بنا پر مذہب شیعہ میں مسئلہ جہاد قرار دیا گیا ہے۔ اور جب تک عصمت امام یعنی اُس کے بچپا ہونیکا یقین نہو کہ کسی کوئی ارشاد امام پر عمل نہیں کر سکتا ہے اور اسی لیے اُن ائمہ کو جو معصوم تھے معصوم ماننا ضروری ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے جو طریقہ حفاظت اپنے ہمراہیوں کا اختیار کیا تھا درحقیقت یہ وہی طریقہ ہے کہ جو علی مرتضیٰ نے جنگ صفین میں اور امام حسن نے وقت ترک خلافت بمقابلہ اہل شام کے اختیار کیا تھا۔

اگرچہ یہ تینوں واقعے بحسب اپنے اپنے موقع کے صورت جدا جدا
رکتے ہیں لیکن اصول اُن سب کا وہی ایک ہے کہ قتل ہو جانے سے
انہ کے دوست اور ہمراہی محفوظ رہیں۔

یہ اصول علی مرتضیٰ نے درحقیقت پیغمبر سے سیکھا تھا مقام حبیبہ
پر جب پیغمبر کو کفار کی جنگ سے اندیشہ شکست اور غلوب ہونیکا ہوا
کہ بغیر راہ جنگ کے قلیل ہمراہیوں کے ساتھ بارادہ طواف خانہ کعبہ
کے تشریف لائے تھے اور سامان کافی جنگ کا ہمراہ نہیں تھا اور
اُنہ کے ساتھ اس بات کا اندیشہ بھی تھا کہ موجودہ ہمراہیوں میں سے لوگ
وقت جنگ کے اپنی اپنی راہ اختیار کرینگے جس کا چند مرتبہ پیغمبر کو تجربہ
ہو چکا تھا اور اس اندیشہ پر مضمون تجدید بیعت اشارہ کر رہا ہے۔

مگر جو لوگ کہ وقت جنگ کے قائم رہنے والے تھے اُن کے خطرہ میں
پڑنے کے اندیشہ نے پیغمبر سے صلح کرائی اور اُسی تدبیر نے پیغمبر کے سچے
وفادار دن کو محفوظ رکھا اور وقت تحریر صلح نامہ کے پیغمبر نے علی مرتضیٰ
کو بتا دیا تھا کہ مکہ بھی ایک ایسا ہی وقت آئیگا۔

شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ پیغمبر نے بعض موقعوں پر ایسا ہی کیا ہے کہ جب
قلیل ہمراہی اُن کے ساتھ تھے بمقابلہ کفار کے جنگ کی ہے۔ لیکن واضح
رہے کہ جنگ کے لیے دو صورتیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک دشمن کی طرف

جانا اور دوسرے دشمن کا اپنی طرف آنا۔ اول صورت کو حملہ اور دوسری صورت کو دفع کہتے ہیں۔ اور بحالت دفاع کے جنگ پر مجبوری ہوتی ہے۔

پیغمبرؐ نے جہان کین ایسی حالت میں اجازت جنگ کی دی ہے کہ جہان اُنکے ہمراہی قلیل تھے وہاں صورت دفاع اور حملہ کفار کے روکنے کی ہے۔ اور مقام مدینہ میں پیغمبرؐ کا تشریف لیجانا گو دوسری بیت سے تھا مگر ظاہر صورت حملہ کی تھی اور جب حملہ کے وقت اندیشہ شکست اور مغلوبی کا ہو تو اس وقت میں قتل سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے ہمراہیوں کے لیے کوئی تدبیر لازم ہوتی ہے۔

پیغمبرؐ کے تمام افعال اور اقوال حجت ہیں جسے تفسیر قرآن کی ہوتی ہے جو قرآن علی مرتضیٰ نے مرتب کیا تھا وہ ہر قول اور فعل پیغمبرؐ کی رد سے تفسیر تھی اور اُسی کے بموجب علی مرتضیٰ اور ائمہ اہلبیت علی کرتے رہے اور دوسرے فرنگو بتاتے رہے جن لوگوں نے کہ اُنسے لیا اُنکے پاس موجود ہے اور اُسی صراط مستقیم پر قائم ہیں اور جن لوگوں نے کہ اُنسے نہیں لیا وہ لوگ شاخ و رشخ راہونین حیران اور سرگردان ہیں۔

اس حقیقت کے لئے ہر ہونیکے بعد دیکھو کہ جناب امیر کو اصلی قرآن

کے ظاہر کر نیکی جرات ہوئی یا نہیں اپنی خلافت میں یا غیر کی خلافت میں اور ائمہ کو بھی خوف کی وجہ سے اُسکے جاری کر نیکا موقع ملا یا نہیں۔
 شیعہ اسکے قائل نہیں ہیں کہ صحابہ نے قرآن میں تصرفات کیے
 البتہ بترتیب نزول قرآن موجودہ جمع نہیں ہوا ہر جسکے خود علمائے
 اہلسنت بھی قائل ہیں اور تفسیر پیغمبری بیشک اہمین شامل نہیں کی
 گئی کہ جسکے بعض بعض حصہ کا وجود خود کتب اہلسنت میں موجود ہے
 اور جبکو وہ آیات منسوخ التلاوة یا وحی سوائے قرآن کے قائل ہوئے
 ہیں جسکی تشریح ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔

اصل قرآن میں کہ جس میں کوئی تصرف نہیں ہوا بیشک آج تک
 اُسطح موجود ہے جس طرح کہ جمع کیا گیا اور ائمہ اہلبیت برابر اسی قرآن
 موجودہ پر عمل کی ہدایت فرماتے رہے ہیں لیکن از روئے علم اور تفسیر
 پیغمبری کے ائمہ اہلبیت جو معنی اور منشا بتاتے رہے ہیں اور
 اپنے آپ کو اور غیر دلوں کو جن آیات کا مصداق قرار دیتے رہے ہیں
 شیعہ بنظر ارشاد پیغمبر کے ارشادات ائمہ کو اُسی حیثیت سے آیات
 قرآنی کے معنی اور منشا اور مصداق کو قبول کرتے ہیں جس حیثیت سے
 کہ انہوں نے فرمایا ہے۔

مثل اہلسنت کے شیعوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ معانی اور

منشا اور مصداق آیات کو اپنی رائے سے قرار دیکر خلاف وصیت رسول کے صرف قرآن سے ظاہری تمسک کریں اور اہلبیت و عترت رسول کو قطعی چوڑ دین۔

مہاجرین اور انصار اور ازواج اور آیت غار اور بیعت رضوان کی نسبت شیعوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ کیا عجب ہے کہ وہ آیات تصنیفات صحابہ سے ہوں، لیکن جیسے مہاجر اور انصار اور صحابہ کے متعلق قرآن میں اگر ایسی آیتیں موجود ہیں کہ جن سے اُنکے اس وقت کے افعال کی پسندیدگی پائی جاتی ہے تو ایسے آیات ہی موجود ہیں کہ جن سے اُنکے افعال سے ناخوشی اور اُنکی مذمت ہی مخصوص جہاد کے وقت میدان جنگ میں قائم نہ رہنے کے متعلق ثابت ہوتی ہے۔

ازواج رسول بیشک امات المؤمنین ہیں جبکہ مقصود یہ ہے کہ بعد پیغمبر کے اُن سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا جس سے اور کوئی شرف اُن کا اُس سے برتر پایا جاتا ہو۔ اُنکے متعلق ہی آیات عتاب اور غیر خوشبود خدا کی موجود ہیں۔

اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ اُنکی حالت اُنکے اختیار میں تھی اور وہ ہر حسن اور قبیح کے عمل میں لانے کی مختار تھیں۔ جس بی بی نے جیسا عمل کیا بیشک وہ اُسکی مستحق ہے کیا از روے قرآن اور کیا از روے

احادیث پیغمبر کوئی بی بی انکی امت رسول کے لیے نمونہ قرار نہیں سکتی
ورنہ قرار پائی ہے۔

کیا اعلیٰ مرتضیٰ کی خلافت برحق میں بی بی عائشہ نے علم بناوت
بلند نہیں کیا کیا سیدان جنگ میں اونٹ پر سوار ہو کر گہر سے باہر
خلافت نص میچ قرآنی کے نہیں نکالیں۔ کیا وہ اسمین مرکب امر
قبیح کی نہیں ہوئیں۔ کیا وہ مستحق اُسکے نتیجہ کی نہیں ہو سکتیں۔
ایسے امر کے عمل میں لانے سے کیا اہلسنت اپنے طرفدار دُکھون
نے شرمندہ نہیں کیا؟

اسی طرح آیت غار سے کوئی شرف حضرت ابو بکر کے لیے پیدا نہیں
ہوتا ہے اسمین حضرت ابو بکر کے ساتھ ہونیکا حکایتاً ذکر ہے۔

اور آیت بیعت رضوان سے جب تک کہ ایفائے عہد ظہور میں
نہ آئے جیسے کہ خود اُسی آیت میں اُسکا اشارہ ہے کیا شرف کسی کو
حاصل ہو سکتا ہے جبکہ بعد اُسکے نکث عہد بیعت جنگ خیر اور حنین
میں پیغمبر کو چوڑ کر پیٹھ دکھائے جسکا ذکر قرآن میں موجود ہے مصنف
مخاطب نے بطور فحاش موقع پر جوان امور کا اعادہ کیا ہے سو انکی
حقیقت ہم ادھر دکھا آئے ہیں۔

اگر میں مصنف یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب تک جامعین قرآن کو

تقدیر مانا جائے اسوقت تک کیونکر یہ مانا جائے کہ انہوں نے قرآن و وصیت
بڑا یا نہیں وہ اپنی حکومت کے زمانہ میں سب کچھ کر سکتے تھے اس وقت
میں مصنف بخاطر اس سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا انکا یہ مقصود

ان جامعین قرآن کو معصوم مانا جائے اگر یہ مقصود ہے تو خود اہلسنت رضوان
کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ معصوم نہ تھے اور جو معصوم نہ ہو اس سے خطا کا دفع آیات
مکن ہے لیکن غیر معصوم سے یہ فرد نہیں ہے کہ تمام افعال اس کے سر پر باخطا ہوں
بلکہ فرد ہے کہ کوئی فعل اس کا خطا کا ہوا اور کوئی فعل غیر خطا کا اور اس سے فعل کے وقت
کسی حصہ میں خطا ہوا اور کسی حصہ میں نہ ہو۔ قرآن میں کچھ بڑا نیکی انکو حاجت ہے جس کے
نہیں تھے تفسیر پیغمبری کو قرآن سے خارج رکھنے سے انکی غرض حاصل ہوتی ہے کہ وقت
تفسیر پیغمبری سے جو امور شرح ہو گئے تھے انہیں کسی اختلاف کی گنجائش مانی

نہیں رہی تھی معنی اور بقاصدا آیات میں خود رانی کا اختیار تفسیر پیغمبری کے حدود یہ ہر کلمہ
شامل رکھنے سے قرآن میں حاصل ہو گیا اور اسقدر انکو اپنی غرض کے لیے کافی شرف انکا
تھا انہوں نے اپنی حکومت کے زمانہ میں جو کچھ کیا وہ کیا کہ جو مصنف بخاطر
قرآن میں بڑا نیکی خطا سے انکی برائت کے لیے دلیل لاتے ہیں۔ قرآن
میں کچھ بڑا بنظر اسکی فصاحت اور بلاغت کے غیر مکن تھا اور ایک
طرز بیان سے دوسرا طرز بیان خود بخود بتا دیتا کہ کچھ بڑا یا گیا ہے وہ لوگ
ایسے نادان نہیں تھے کہ اپنی خطا کی خود اپنی خطا سے گشت کر دیتے۔

نام ساداتین	تعداد	نام ساداتین	تعداد
عالمیاب قاضی سید نور الدین علی خان	۵	عالمیاب نواب سید محمد علی خاں صاحب آباد	۱
عالمیاب بہادر القابہ وزیر بہاول	۵	عالمیاب شمس	۱
عالمیاب خواجہ محمد جعفر علی خاں صاحب	۵	عالمیاب شیخ والہ حسین خاں نقواریہ لوہا	۱
عالمیاب قاضی بندہ علی خاں صاحب	۵	عالمیاب بدایاں محمد خاں کول	۱
عالمیاب مرزا عبد علی بیگ صاحب قزلباش	۵	عالمیاب مولوی سید غلام حیدر خاں صاحب	۱
عالمیاب سیدہ علی صاحبہ میری محبت	۵	عالمیاب حج	۱
عالمیاب مولوی رحمت علی صاحب کسل	۵	عالمیاب نواب میر دست علی خاں صاحب	۱
عالمیاب قاضی محمد حسین صاحب قزلباش	۵	عالمیاب رضوی سکندر نقواریہ خاندان	۱
انسپیکٹر پولیس	۵	عالمیاب سید میونسٹریٹا سانی ڈی کلکٹر	۱
عالمیاب سید فدا حسین صاحب اور پیر	۵	عالمیاب سید حیدر علی خاں صاحب ازبیری محبت	۱
عالمیاب حکیم احمد مراد صاحب تحصیلدار	۵	عالمیاب حاجی محمد حسین خاں صاحب کسل	۱
عالمیاب حاجی مولوی سید شمس علی صاحب	۵	عالمیاب غلام مفر علی بیگ خاں قزلباش	۱
سپرٹنڈنٹ کتب خانہ مرشد آباد	۵	اکسٹرنسٹ کسٹمر	۱
عالمیاب سید نبی علی صاحب تحصیلدار	۵	عالمیاب سید حمزہ علی صاحب مین	۱
عالمیاب سید ابوبکر صاحب انسپیکٹر	۵	عالمیاب شمس محمد حسین خاں صاحب کول	۱
عالمیاب سید نور حسین صاحب شمس منفی	۵	عالمیاب نواب مولوی زوار علی خاں صاحب	۱
عالمیاب سید عابد حسین صاحب قلعہ کوس	۵	عالمیاب نواب برار علی خاں صاحب	۱
عالمیاب مولوی سید گل محمد خاں کسٹمر	۵	عالمیاب نواب سید اسد اللہ خاں صاحب	۱
عالمیاب مولوی سید فیض حسین صاحب	۵	عالمیاب نواب سلطان حسین خاں صاحب	۱
عالمیاب سید امانت حسین صاحب کسل	۵	عالمیاب سید ایوب حسین خاں کسل	۱
عالمیاب سید شمس حسین صاحب کسل	۵	عالمیاب سید افغان حسین صاحب تحصیلدار	۱
عالمیاب سید محمد حسین صاحب کسل	۵	عالمیاب مرزا محمد حسین صاحب کسل	۱
عالمیاب سید محمد حسین صاحب کسل	۵	عالمیاب سید محمد حسین صاحب کسل	۱

